پراسرار ایجنٹ

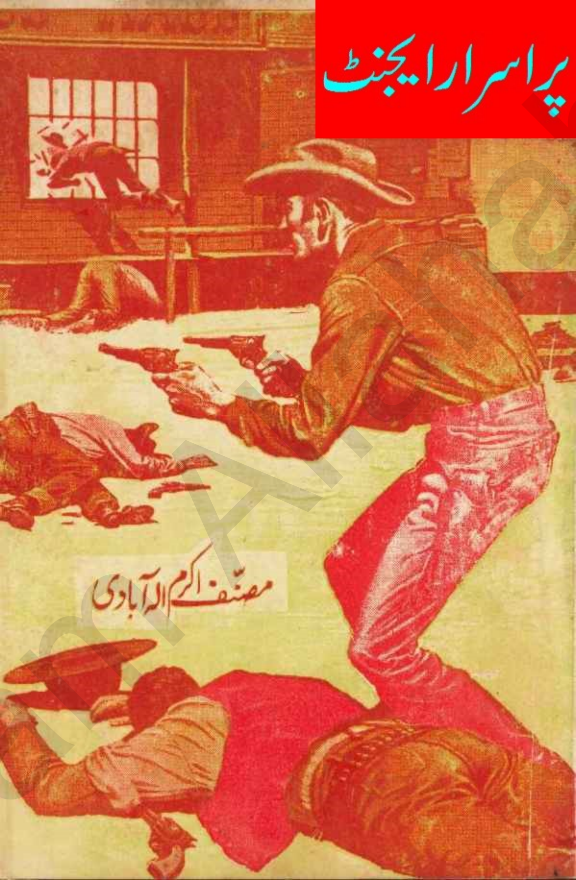

جاسوسی دائرہ سیریز

پراسرار ایجنٹ

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں ۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے ۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی ۔

Akram Allahabadi

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی ۔انڈیا

ایک عجیب موت

"موت کس وقت واقع ہوئی؟"

"بس ساڑھے ۱۲ بجے اور ایک بجے کے بیچ میں۔"

"مرنے سے پہلے آپ نے انھیں کس وقت آخری بار دیکھا تھا؟"

"۱۱ بجنے ہی والے تھے جب میں انھیں ایک بیجک دکھانے گیا تھا۔"

"ان کی کیفیت کیا تھی اس وقت؟"

"بالکل روز کی طرح خوش وخرم تھے، بلکہ بیجک دیکھ کر مجھ سے کہہ بھی رہے تھے کہ بڑے اچھے داموں مال کی خرید ہوتی ہے۔"

"کون سا مال تھا وہ؟"

"یہی کاغذ، نارو ے کا مال آیا تھا۔"

"ہُم... اس سے پہلے تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے ان کو کوئی خاص صدمہ پہنچا ہو، یا کسی سے لڑائی جھگڑا؟"

میں تو ان کے گھریلو حالات سے بھی واقف ہوں، ایسی تو کوئی بات آج تک نہیں ہوئی۔ کاروبار بھی بھگوان کی دیا سے بہت مزے کا چل رہا ہے۔"

"تو پھر خودکشی کیوں کی انھوں نے؟" پولیس انسپکٹر ساونت اپنی گدی کھجلاتے ہوئے سوچنے لگا۔ سیٹھ کرم چند کا خاندانی منیم شنکر دیال اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کمرے میں اس وقت شنکر دیال انسپکٹر ساونت، سارجنٹ جامی اور مرحوم سیٹھ کرم چند کی لاش کے سوا کوئی نہ تھا۔ کرم چند مردہ حالت میں اپنی میز پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کا سیدھا میز کے شیشے سے لگ گیا تھا، گردن ٹیڑھی تھی اور دونوں ہاتھ نیچے لٹکے ہوئے تھے۔ ان کی اچانک موت کی اطلاع پولیس

کو ایک بج کر ۱۵ منٹ پر دی گئی تھی اور موریسن روڈ کا پولیس اسٹیشن انسپکٹر ساونت فوراً آپہنچا تھا۔ سارجنٹ جامی بھی اتفاق سے اس وقت ساتھ میں پھنس گیا تھا۔ وہ بہت دنوں بعد آیا تھا۔ ساونت سے رسمی سلام دعا کرنے لیکن یہ مصیبت بھی یہاں گلے پڑ گئی۔

کیس بظاہر خودکشی کا ہی معلوم ہوتا تھا، لیکن گھر یا کسی اور مقام کی بجائے دفتر میں آکر خودکشی کرنے اور پھر کوئی تحریر یا وصیت نہ چھوڑ کر جانے کے شبہات کے علاوہ اب تک لیے گئے متعلقین کے بیانات سے بھی کوی بات ایسی نہ معلوم ہوسکی تھی جس سے سیٹھ کرم چند کے خودکشی کرنے کی وجوہ کا کوئی اندازہ ہوسکتا۔ کرم چند شہر کی معزز ہستیوں میں سے ایک اور کاغذ کے بڑے بیوپاری تھے۔ شخصیت کے اعتبار سے وہ بہت ملنسار اور خوش خلق آدمی تھے اور کوئی ایسا بھی شبہ نہ ہوتا تھا کہ کسی نے دشمنی سے انھیں کسی پراسرار طریقہ پر ختم کر دیا ہو۔ ان کے جسم پر نہ کسی زخم کا نشان تھا، نہ گلا دبائے جانے کا۔ حتیٰ کہ محدب شیشے سے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد کہیں ان کے کپڑوں یا جسم پر کوئی ہلکا سا بھی ایسا نشان نہ پایا جاسکا جس سے اتنا بھی کہا جاسکتا کہ کسی نے انھیں چھوا ہو۔ کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا جاچکا تھا، لیکن یہاں بھی کوئی قابلِ غور چیز یا علامت نظر نہ آئی۔ بہرحال موت کو خودکشی کا طریق کار کا علم، یا اندازہ تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی ہوسکتا تھا، لیکن حالات ان کی موت کو خودکشی ثابت کرنے کے حق میں نہ تھے، اس لیے پولیس زیادہ چھان بین میں لگی تھی۔ انھیں کوئی بیماری بھی نہ تھی، جس کے اتفاقیہ دورے یا حملے کا شبہ ہوتا۔

"سیٹھ جی دفتر کب آئے تھے؟" انسپکٹر ساونت نے پوچھا۔

"شاید ڈیڑھ بجے تھے، جب وہ دفتر میں آئے تھے۔"

"ان کی آمد کے بعد کون کون لوگ ان سے ملے آئے، کیا آپ بتا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ ان تک پہنچنے والے کو میرے آفس کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے اور نئے آدمی تو ویسے بھی براہِ راست ان سے نہ مل سکتے تھے۔"

Akram Allahabadi

"میں ان لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جنھوں نے آج ان سے ملاقات کی ہو، خواہ وہ اجنبی ہوں یا پرانے؟"

"سویرے کاغذ کے دو چھوٹے بیوپاری آئے تھے، لیکن ان کے جانے کے بعد سیٹھ اپنی معمول کی حالت میں تھے۔ ویسے بھی وہ بیوپاری شریف لوگ اور بھروسے کے تھے۔"

"اور کوئی؟"

"ایک آدمی اور آیا تھا اور ٹھیک تو ہے۔ وہ کوئی پولیس افسر بتاتا تھا اپنے آپ کو۔ نام تو میں نے پوچھا نہیں، البتہ وہ بھرے بدن کا چوڑھ کتابی چہرے والا ایک زرد آدمی تھا۔ قد اوسط تھا اور اس کے ہاتھ پر ہلکا سا زخم کا نشان بھی تھا۔"

"کیا اس کے کان بھی دیکھے تھے آپ نے؟"

"جی ہاں۔ ٹھیک پوچھا آپ نے۔ اس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے۔ خاص کر یہ دیکھ کر میری مسکراہٹ چھوٹ گئی تھی۔"

"عجیب بات ہے۔" ساونت اور جامی یہ کہہ کر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

"کیا آپ اسے پہچان سکیں گے، اگر وہ سامنے پڑ جائے؟"

"کیوں نہیں۔ میں ایک بار آدمی کو دیکھ کر پھر مشکل سے بھولتا ہوں۔"

"اچھا اور کوئی؟"

"اور... ہاں ایک بیمہ ایجنٹ، مگر وہ تو بغیر ملے ہی چلا گیا تھا۔" شنکر دیال نے بتایا۔

"کیسا آدمی تھا وہ؟"

"تھا تو نیا، لیکن بیوقوف قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"کس کمپنی کا تھا؟"

"اچھا سا نام بتایا تھا اس نے۔" شنکر دیال ذہن پر زور دینے لگا۔

"یاد کرنے کی کوشش کیجیے۔"

Akram Allahabadi

"وہ کیا نام تھا اس کا..." مقیم سر کھجلانے لگا۔"دی اینگلو انڈین انشورنس..."

"ہشت، اس نام کی کوئی بیمہ کمپنی نہیں ہے۔"

"تو شاید کچھ اور ہو، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں پڑ رہا، لیکن سیٹھ نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا، اس لیے میں نے اسے لوٹا دیا تھا۔"

"کیا وہ آپ کے سامنے ہی یہاں سے لوٹ گیا تھا؟"

"ویٹنگ روم میں۔ میں اسے جواب دے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا، لیکن تھوڑی دیر بعد ہی جب ادھر سے گزرا تو وہ جا چکا تھا۔"

"وہ آخری آدمی سے پہلے آیا تھا؟"

"جی ہاں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ پہلے۔"

"خیر، بہر حال میرے اپنے خیال میں یہ کیس ضرور پراسرار ہے۔ خودکشی کا معاملہ تو نہیں معلوم ہوتا، تا وقتیکہ اس کے مناسب وجوہ دستیاب ہو جائیں۔" یہ کہتا ہوا ساونت جامی کی طرف گھوما۔"باہر حوالدار موجود ہے، اسے بلا کر لاش یہاں سے پوسٹ مارٹم کیلئے کارونر کے پاس پہنچوانے کا کہہ دو ذرا۔" اس نے جامی سے کہا۔

"میں مردے ڈھونے والی پولیس سے تعلق نہیں رکھتا۔" جامی نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"ہاتھ میلے نہیں ہو جائیں گے، برخوردار۔ آخر حرام کی روٹیاں توڑنا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم یہ چھوٹے موٹے کام تو کر لیا کرو۔"

"اوہ، تو شاید آپ کو اپنی حلال خوری پر ناز ہو گیا ہے۔" جامی نے بے تکلفانہ طریقے پر جواب دیا۔ اور تھے بھی وہ ایک دوسرے سے قطعی بے تکلف۔ صرف باہر دوسروں کے سامنے ڈسپلن کے پابند رہتے، لیکن اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے اور ان کی یہ دوستی بہت پرانی تھی۔

Akram Allahabadi

"خیر یہ بکواس پھر سن لی جائے گی، ابھی تو اتنا کام کرو۔"

"آپ کی ہمدردی میں کیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر جامی باہر چلا گیا۔

"لاش ہٹائے جانے کے بعد اس کمرے کی ہر چیز اسی طرح رہنی چاہیے۔ باہر سے اسے مقفل کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے پوری تسکین کیے بغیر اس کے بارے میں فیصلہ کن رائے دینا بھی مشکل ہے۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔" شنکر دیال نے دروازے کی چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ چنانچہ چند منٹوں میں ہی سیٹھ کرم چند کی لاش کو ہٹا کر کمرے کو مقفل کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

ان دنوں سپرنٹنڈنٹ خان کو بھی کچھ فرصت تھی۔ خطرناک جرائم پیشہ لوگوں کی سرکوبی کر کے ابھی وہ چند دن ہی سکون سے بیٹھ پایا تھا۔ پہلے تو اسے اس کیس سے کوئی دلچسپی نہ ہوئی، لیکن خود انسپکٹر نجم نے مشتبہ حالات ان سے بتائے تو وہ اپنے طور پر مقامِ واردات پر معائنہ کرنے کیلیے تیار ہو گیا۔

دوسرے دن سویرے ہی تمام اخبارات میں سیٹھ کرم چند کی پراسرار خودکشی کے عنوان سے خبریں شائع ہو گئیں۔ یہ پراسراریت دراصل جامی کی حماقت کا نتیجہ تھا۔ پریس رپورٹروں سے اس کی خاصی دوستی تھی اور وہ اسے اپنی باتوں میں لے کر اس سے بعض ایسی خبریں بھی اگلوا لیتے تھے جن کی غیر یقینی نوعیت کو ملحوظ رکھ کر شاید افسرانِ بالا پریس تک ان کی بو تک نہ پہنچنے دیتے۔ خان جامی کی اکثر ایسی حرکتوں پر چراغ پا ہو جاتا تھا، لیکن نہ جانے کیوں آج صبح کی خبر پڑھ کر وہ مسکرا دیا۔ تفصیل میں پوسٹ مارٹم کے حوالے سے موت کسی خاص زہر سے بتائی گئی تھی۔

"بعض وقت یہ گدھا خاص کارآمد حماقتیں بھی کر بیٹھتا ہے، لیکن اگر اس

Akram Allahabadi

پراسراریت کے ساتھ خودکشی کا لفظ نہ لگا ہوتا تو میں اس کا سرتوڑ ڈالتا۔" خان نے اخبار کی خبر کو سرسری نظر سے دیکھ کر میز پر رکھتے ہوئے انسپکٹر ڈیسوزا سے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں نے اول تو ابھی ساونت کی رپورٹ غور سے نہیں دیکھی، دوسرے میں پہلے موقع واردات کا معائنہ کر لینا چاہتا ہوں۔"

"کیوں آپ تو روشن ضمیر ہیں نا بتا ڈالیے سچ سچ؟" ڈیسوزا نے آبیل مجھے مار کے مصداق طنز کیا۔

"اگر میں عہد مغلیہ کا کوئی قاضی ہوتا تو تمہیں اس بھونڈے سے جملے کے عوض ضرور پھانسی چڑھوا دیتا۔" خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت باہر جانے کیلیے تیار بیٹھا تھا۔

"خدا گنجے کو ناخن دیتا ہی نہیں۔" ڈیسوزا بچوں جیسے انداز میں دونوں ہاتھ جھٹک کر یہ کہتا ہوا ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھنا چاہتے ہو کیا" خان نے ہاتھ اٹھایا۔

"صبح صبح نہیں، یہ مہورت اچھی نہ ہوگی۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" ڈیسوزا آگے کھسکتے ہوئے بولا۔

"خیر معاف کیا۔ جاؤ جلدی سے لان میں کار لاؤ، ہمیں موقع واردات کو دیکھنا ہے۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اپنے معائنے کے بعد ویسے مکمل نہیں ہے۔ میں خود اس کی مزید تفصیلات معلوم کروں گا۔"

"تو کیا الجھنے کا خیال ہے؟"

"معاملہ تو کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔ ویسے ممکن ہے خودکشی ہی ہو۔" خان نے بات گول کر دی۔ اور ڈیسوزا سمجھ گیا کہ ابھی وہ اس سلسلے میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کیلیے تیار نہیں۔

Akram Allahabadi

وہ اس وقت ایک سعادت مند اسسٹنٹ کی طرح گیرج سے کار نکالنے کیلیے باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

باب 1: حراست میں

"سیٹھ کرم چند نے خودکشی نہیں کی۔ انھیں بڑے پراسرار طریقے پر قتل کیا گیا ہے۔"

سپرنٹنڈنٹ خان نے ڈی آئی جی کو زبانی رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

"اس کا سبب؟"

"محض چند ہیرے جو لگ بھگ ۴۰ ہزار کی مالیت کے ہوں گے۔"

"لیکن رپورٹ کے مطابق تو ان کے دفتر میں کوئی ایسی تجوری نہیں ہے۔"

"یہ ہیرے وہ خاص طور پر واردات کے دن اپنے گھر سے کسی مہاراجہ کے ایجنٹ کو دکھانے کیلیے لائے تھے اور اس کا علم صرف ان کی بیوی کو تھا۔"

"تو کیا کرم چند کی بیوی.." ڈی آئی جی نے کہنا چاہا، لیکن خان نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلا دی۔

"وہ بہت سادہ لوح قسم کی عورت ہے۔ میرے خیال وہ ایجنٹ ہی اصل قاتل ہو سکتا ہے، جسے دکھانے کیلیے وہ ہیرے لے کر آئے تھے۔"

"لیکن وہ تو پہلے ہی چلا گیا تھا اور اس کے بعد جو شخص ان سے ملنے گیا تھا۔ اوہ، کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے آخر؟" ڈی آئی جی نے ہاتھ ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کیلیے پولیس کا شبہ پنے ہی ایک آدمی کی طرف ہے اور کرم چند کا منیم خفیہ طور پر اس کی شناخت بھی کر چکا ہے۔"

"یہی تو مجھے یقین نہیں آتا کہ سارجنٹ بالے جیسا فرض شناس اور لائق آدمی کوئی مجرمانہ روش کیسے اختیار کر سکتا ہے۔" ڈی آئی جی نے مٹھیاں بھینچ کر بھاری آواز میں کہا۔

Akram Allahabadi

"لیکن حالات ایسے ہیں کہ بظاہر اس کی تردید نظر نہیں آتی۔" خان نے بھی سنجیدگی سے دبے لہجے میں کہا۔

"اور مجبوراً مجھے یہ کام آپ کے ہی سپرد کرنا پڑے گا کہ آپ مکمل حالات کے دریافت ہونے تک بالے کو حراست میں لے لیں۔" ڈی آئی جی نے دوستانہ انداز میں اپنا حکم سنایا۔

کوئی اگر جلتے توے پر ہاتھ رکھ کر بالے کو کسی قتل کا ملزم، کسی غیر قانونی فعل کا مرتکب قرار دیتا تو سپرنٹنڈنٹ خان اس پر یقین نہ کرتا۔ وہ بالے کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اور اگر ڈی آئی جی کا حکم نہ ہوتا تو شاید وہ اپنے ہاتھوں سے بالے کو حراست میں لینے سے انکار کر دیتا۔ مگر فرض اور دوستی کے مابین یہ ایک ایسی جنگ تھی جس پر فرض کو غالب آنا ہی تھا، ورنہ اپنے ہی محکمے کے اس کے وہ تمام بدخواہوں کو جو اس کی حیثیت واہلیت سے حسد رکھتے تھے، اسے بدنام کرنے کو موقع مل جاتا۔

"لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کرم چند کو مارا کس طرح گیا ہے؟" ڈی آئی جی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سگریٹ سے۔ جی ہاں۔ کرم چند صرف سگار پیتے تھے، لیکن ان کی میز پر ایش ٹرے میں جو راکھ پائی گئی ہے، وہ سگریٹ کی ہے، میں نے اسے ٹیسٹ کیلئے آج ہی کلکتہ نیشنل لیبوریٹریز بھیجا ہے۔ پولیس نے اپنے معائنے میں اس طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن میرے خیال میں راکھ بھی قیمتی ہے۔ ایک بات یہ کہ ایش ٹرے میں کسی دوسری سگریٹ کا جلا ہوا ٹکڑا بھی نہ تھا۔ وہ سگریٹ ضرور کچھ اس قسم کی تھی، جو تھوڑے سے وقفے میں آخری سرے تک جل کر صرف راکھ رہ جاتی ہو۔" سپرنٹنڈنٹ خان نے ڈی آئی جی کو اپنی ابتدائی تحقیق کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے آپ کا جو طریقہ کارآمد ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بلاوجہ کچھ نہیں

Akram Allahabadi

سوچتے ۔خیر جس طرح چاہیں اس کی تفتیش کیجیے، لیکن بالے کیلیے مجھے واقعی افسوس ہے۔'' ڈی آئی جی نے اپنی کرسی پر واپس آ کر کہا۔

''اس کی فکر نہ کیجیے، اچھا ہی ہے جو کچھ دن اسے شاہی مہمان خانے کا آرام نصیب ہو جائے گا۔ بہت پریشان کرنے لگا تھا مجھے۔'' خان مسکرایا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ کہنے کیلیے کتنے ضبط سے کام لینا پڑ رہا ہے۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اس کیلیے کسی قسم کے جذبات رکھتے ہیں۔'' ڈی آئی جی نے بالے کیلیے پھر ہمدردی کا اظہار کیا۔

''آپ یقین رکھیے، اپنے فرض کی ادیگی میں ہر چیز پر خیر مقدم سمجھتا ہوں۔'' سپرنٹنڈنٹ خان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' ڈی آئی جی نے مصافحے کیلیے ہاتھ بڑھا کر مسکرائے اور پھر مصافحہ کے بعد ڈسپلن کی سلامی دیتا ہوا سپرنٹنڈنٹ خان باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

''چلو اٹھو فوراً۔'' خان نے بالے کو جھنجوڑا۔

''اف...فوہ...آنکھ لگی نہیں کہ موت کے فرشتے آ گئے۔'' بالے نے سوتے سے کروٹ بدل کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ''کہاں چلنا ہے؟'' وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔

''صرف جہنم تک۔''

''صبح صبح نہیں جاؤں گا۔چچا غالب کہہ گئے ہیں، ؎ موت کا ایک دن معین ہے۔''

''اور وہ آج ہی کا دن ہے، چلو اٹھو جلدی۔'' خان نے اسے بازو پکڑ کر بٹھا دیا۔

''مجھے کل سے بدہضمی ہو گئی ہے، آج تو معاف ہی رکھیے۔''

''تمہارا ہاضمہ درست کرنے کا طریقہ معلوم ہے، لیکن اس وقت وہ آپ سے آپ

Akram Allahabadi

درست ہو جائے گا۔"

"ایسی کیا بات ہے آخر؟"

"سیٹھ کرم چند نے تمہیں اپنی دامادی میں قبول کر لیا ہے۔ یہی درخواست لے کر گئے تھے نا تم ان کے پاس؟" خان نے لہجے میں سنجیدگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"ارے سچ؟ او گاڈ، یو آر گریٹ۔" بالے اچھل کر پلنگ سے نیچے آ گیا۔

"ہاں، مگر فوراً تیار ہو جاؤ، ابھی بلایا ہے۔"

"بس دو منٹ۔" یہ کہہ کر وہ سیدھا غسل خانے کی طرف لپکا اور دس منٹ بعد جب جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اس کے حلیے بدلے ہوئے تھے۔ میز کی رکھی ہوئی چائے کی ایک پیالی حلق میں انڈیلتے ہوئے وہ خان کے پاس پہنچ آ گیا، لیکن اس سے کچھ کہے بغیر سپرنٹنڈنٹ خان گہری سنجیدگی کے عالم میں دروازے کی طرف چلنے لگا۔

"اور کچھ بھی کہا اس نے؟"

"ہاں، یہ بھی کہ تمہاری محبوبہ کو تمہارے ہجر میں دست آنے لگے ہیں، سوکھ کر ببول کا کانٹا ہو گئی ہے اور اس نے یہ بھی کہلایا ہے کہ تم الو ہو۔" یہ کہتا ہوا خان برآمدے سے نکل کر کار کے نزدیک آ گیا۔

"میں ڈاکٹر ستیش کو ساتھ لیتا چلوں گا۔"

"نہیں تم ہی کافی ہو۔"

"ارے، مگر میں تو ستیش کی شادی کیلئے ان سے سفارش کرنے گیا تھا۔ لاحول ولاقوۃ۔ آپ بھی بس کمال کرتے ہیں، مجھے نیند میں جگا دیا۔

"اس کو کیا کیا جائے کہ کرم چند نے تمہیں ہی اپنی بیٹی کیلئے پسند کیا ہے۔"

"میں استعفا دے دوں گا۔ بیچارہ وہ غریب ستیش اس لونڈیا کے عشق میں ریشہ خطمی ہو کر جان دیے دے رہا ہے، مجھ سے یہ ڈاکہ زنی نہ ہو گی۔"

Akram Allahabadi

"کوئی نیا رشتے دار ہے تمہارا؟" خان نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں، وہ آبنا لیک کے پل سے کود کر خودکشی کر رہا تھا، میں نے ہی بچایا تھا اسے۔ کرم چند کی لڑکی کوشل کا کالج کا کلاس فیلو ہے، مگر کسی غریب باپ کی اولاد ہے۔"

"اور تم نے اس کی ہمدردی میں اس کے ہونے والے خسر کا خون کر دیا؟"

"خون؟" بالے زور سے اچھل پڑا۔ "آپ کی باتوں سے دشمنی کی بو آ رہی ہے مجھے۔" وہ ٹیڑھا سا منہ بنا کر بولا۔

"ابھی کیا ہے، جب پھانسی کے تختے پر لٹکو گے تو اور بھی بہت سی دعائیں یاد آئیں گی تمہیں۔"

"پھانسی؟ یعنی آپ کسی ٹیڑھے مذاق کے موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"بالے۔" خان کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ مجھے ہی تمہیں حراست میں لینے کا حکم دیا گیا ہے۔" خان نے بھاری آواز میں کہا۔ لیکن بالے اسے ایک شاندار مذاق سمجھ کر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"ہنسنے کا وقت نہیں ہے۔ شاید تمہیں کرم چند کے قتل کی خبر نہیں ملی ہے۔ بہر حال اس کے قتل کی واردات سے پہلے تم ہی آخری آدمی وہاں دیکھے گئے تھے اور تمام گواہیاں تمہارے خلاف ہیں، جن کی وجہ سے وہ تم کرم چند کے مشتبہ قاتل قرار پائے ہو۔"

"میں... قاتل؟" الفاظ بالے کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ "میں تو تفتیش کی سفارش کرنے گیا تھا۔"

"دوسروں کے معاملات میں ٹانگ گھسیڑنے کا نتیجہ اکثر خطرناک بھی ہوا کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہیں کر سکتے، لیکن قانون میرے الفاظ کو تسلیم نہ کرے گا۔ لوگ جانتے ہیں کہ میں تمہیں کتنا عزیز رکھتا ہوں۔" سپرنٹنڈنٹ خان کی آواز اس وقت تھرا رہی تھی۔

"لیکن؟"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، مجھے معلوم ہے کہ قاتل کوئی اور ہے اور میں اسے زیادہ مہلت نہ دوں گا، لیکن نہ صرف قانون کے احترام کیلیے، بلکہ قاتل کو مغالطہ دینے کیلیے بھی تمہارا حراست میں چلا جانا اس وقت ضروری ہے۔"

"حراست میں؟ او گاڈ، یہ کون سے جنم کے پاپوں کا بدلہ مل رہا ہے مجھے، لیکن پھانسی تو نہ ہوگی مجھے؟"

"بکواس مت کرو، میں جس وقت حالات موزوں پاؤں گا، تمہیں اپنی ضمانت پر حراست سے آزاد کرا لوں گا، لیکن سر دست تم صرف خاموشی برتو۔"

"یعنی زبردستی کا اقبال جرم کر لوں؟"

"نہیں، صرف خاموشی، باقی باہر کے معاملات میں سنبھال لوں گا۔"

"کتنے دن شیر کو پنجرے میں رہنا ہوگا؟"

"جب تک کوئی ہنٹر لے کر سر پر نہ آ جائے۔"

"کیا یہ حراست میرے اعمال نامہ میں لکھی جائے گی؟"

"وہ تو ویسے بھی سیاہ ہے۔"

"اور اگر میں کسی پراسرار مجرم کی طرح آپ کو بیہوش کر کے فرار ہو جاؤں تو؟"

"اس طرح تم واقعی مجرم قرار پاؤ گے، بچوں جیسی حماقتیں اب چھوڑ دو۔"

"دیکھیے، حراست میں ڈالنے سے پہلے مجھے آپ دھمکیاں مت دیجیے، ورنہ میں ستیہ گرہ کر دوں گا۔"

"سنٹرل پولیس اسٹیشن نزدیک آ رہا ہے، اب اپنی چونچ بند کر لو۔"

"میں دو ہفتوں سے زیادہ اس جیل میں نہیں رہ سکوں گا۔ آپ نے دیر کی تو مجھے سولھواں دن بہرام ڈاکو کی طرح آپ مجھے قید خانے سے غ...غ... پائیں گے۔"

"زیادہ گڑ بڑ کرو گے تو وارڈ آفیسر سے کہہ کر تمہیں خطرناک قیدیوں کی طرح

Akram Allahabadi

زنجیروں میں جکڑوا دوں گا۔"

"اوباپ، اتنے بے رحم ہو گئے ہیں آپ۔ خیر میں کوئی دوسرا راستہ ڈھونڈوں گا۔"

"بس اب چپ ہو جاؤ۔"

"وائے حسرت، صبح کا ناشتہ بھی نہ کرنے دیا ایک بدنصیب قیدی کو آپ نے۔"

"وہ سب کچھ تمہیں وہیں مل جائے گا۔"

"آپ کا ایڈوانس شکریہ۔"

"بس اب چونچ بند۔" یہ کہہ کر خان نے ایک ہاتھ ہتھکڑی نکالتے ہوئے بالے کے حوالے کر دی۔ "یہ زیور بھی پہننا پڑیں گے۔"

"قانون کے محافظوں کو قانون کا سب سے پہلے پابند ہونا چاہیے۔"

"جی بھر کے ظلم ڈھالیجیے ایک بے گناہ غریب پر، آپ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"شٹ اپ۔"

"اوکے، اوکے، یو باس۔" یہ کہتے ہوئے بالے نے برا سا منہ بنا کر ہتھکڑی پہن لی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

Akram Allahabadi

نئی واردات

کیفے نشاط میں آج معمول سے زیادہ چہل پہل تھی۔ بڑے دن کے موقع پر آج یہاں ایک خصوصی پروگرام مرتب کیا گیا تھا، جس میں ہوٹل کے مستقل گاہکوں، قیام پذیر مسافروں اور چند معززینِ شہر کے علاوہ اخباروں کے نمائندے بھی مدعو تھے۔ کیفے نشاط کا وسیع ہال، جس میں بیک وقت سو میزیں اور ۴۰۰ کرسیاں پھیلی ہوئی تھیں، مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ خان بھی آج کے پروگرام کے مدعوئین میں سے ایک تھا۔ اسے وقت پر پہنچنے میں ذرا دیر ہو گئی تھی اور اسٹیج پر اطالوی رقاصہ سانووا اپنا رقص شروع کر چکی تھی۔ اس رقص کو الف لیلیٰ کے ایک تخیلی پہلو پر ترتیب دیا گیا تھا اور سانووا کا مرمریں جسم قصرِ بغداد کی کسی حسین ترین کنیز کے سیفوئی لباس میں اپنے خوبصورت تناسب کے ساتھ جھلک رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ خان اس وقت اپنے سادہ شہری لباس میں تھا۔ اس نے صرف ایک پتلون اور گرم کوٹ پہن رکھا تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تقریباً ہر آدمی ہر عورت کی نگاہیں سانووا پر مرکوز تھیں اور کان آرکسٹرا کی دھن پر لگے ہوئے تھے، لیکن سپرنٹنڈنٹ خان کی نگاہیں پورے ہال کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ڈے لائٹ ڈانس ہونے کی وجہ سے ہال کی ہلکی نیلگوں چھت میں لٹکے ہوئے نئی بناوٹ کے برقی فانوس اتنی تیز مگر ٹھنڈی روشنی سے کمرے کو بقعۂ نور بنا رہے تھے، ایسے میں کسی کا ہال میں حرکت یا ذرا سا شور کرنا بھی لوگوں کو ناگوار گزرتا تھا اور جس وقت ہال کے کونے سے اٹھ کر ایک اوسط ڈیل ڈول کا نوجوان آدمی ہال میں چلنے لگا تو کچھ لوگوں کے منہ بن گئے۔ اس کے قدموں کی چاپ انھیں ناخوشگوار لگی۔ بہت سے تو شاید اس نووارد کے اس بے وقت آنے کو بدتمیزی پر محمول کر رہے تھے، لیکن وہ بظاہر ایک ٹیبل پر خالی نشست تلاش کرتا ہوا میزوں کے درمیان سے گزر کر سپرنٹنڈنٹ خان کی میز پر رک گیا۔

"کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"شوق سے۔" سپرنٹنڈنٹ خان نے خوش اخلاقی کا اظہار کیا۔

"شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ ایک کرسی گھسیٹتے ہوئے بیٹھ گیا اور لاپرواہی کے انداز میں جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سگریٹ سلگاتے ہوئے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔ خان نے ایک نظر اس کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر غیر متعلق انداز میں خود بھی سانووا کے رقص کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کس بلا کا ناچتی ہے کمبخت۔" اس نے خان کی طرف بلا دیکھے تبصرہ کیا۔

"شاید۔" خان نے اس کی بات پر بے توجہی کا اظہار کیا، لیکن وہ بدستور اپنے انہماک میں رہا اور سانووا رقص کرتی رہی۔

اچانک سارا ہال چونک پڑا۔

ایک چیخ اور کچھ کھڑکھڑاہٹ۔

لوگوں نے چونک کر دیکھا۔ کونے والی میز پر بیٹھا ہوا کوئی آدمی اچانک کرسی سے لڑھک گیا اور زمین پر گر گیا، اور چیخ اس عورت کی تھی جو اسی میز کی دوسری سامنے والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس وقت فرش پر پڑے ہوئے آدمی کے سرہانے خوفزدہ کھڑی تھی۔ وہ غالباً اس کی بیوی تھی۔ آس پاس میزوں والے اس کے قریب دوڑ کر آ گئے۔ سپرنٹنڈنٹ خان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور رفتہ رفتہ اس جگہ بھیڑ بڑھ گئی۔ فرش پر پڑے ہوئے آدمی کو فرش سے اٹھا کر میز پر لٹا دیا گیا اور سانووا کا رقص بھی رک گیا۔

اچانک 'مر گیا'، 'مر گیا'، کی دبی آوازیں مختلف لبوں سے نکلنے لگیں اور چشم زدن میں سارے ہال میں سنسنی پھیل گئی اور اونچی سوسائٹی کے نازک مزاج لوگوں کیلئے موت کا لفظ ہی لرزہ خیز تھا۔ ان کے چہرے طرح طرح کے تاثرات سے بگڑ گئے تھے۔ خان بھیڑ کو چیرتا ہوا میز کے قریب پہنچ گیا۔

Akram Allahabadi

"میجر سلیم۔" کوئی مرنے والے کی طرف اشارہ کرکے کہہ رہا تھا۔

"میجر سلیم۔" خان بڑبڑایا۔ اور پھر اس نے لاش کا چہرہ سیدھا کرکے بغور دیکھا۔

"یہ سب کس طرح ہوا۔" اس نے پلٹ کر اس عورت سے پوچھا۔ "آپ تو ان کے قریب موجود تھیں۔"

"شاید حرکتِ قلب اچانک بند ہوگئی ہوگی۔" پاس کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے رائے دی۔

"میں آپ سے پوچھ رہا ہوں، محترمہ۔" خان نے اس عورت سے اپنا سوال دہرایا۔ "آپ غالباً ان کی...؟"

"جی ہاں، میرے یہ شوہر..." اس کی آواز بھرا گئی۔

"صبر و ہمت سے کام لیجیے، کیا انھیں کسی قسم کے دورے پڑتے تھے؟" خان نے پھر پوچھا۔

"جی نہیں۔ وہ بالکل تندرست تھے۔" اپنا نچلا ہونٹ فرطِ غم سے مسز میجر سلیم اپنے دانتوں میں دبائے ہوئے بولیں۔

"ابھی یہاں انھوں نے میز پر کیا چیز استعمال کی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں، کافی دیر پہلے ہم نے کافی کی دو پیالیاں پی تھیں۔" مسز سلیم نے بتایا۔

"اس ٹیبل پر آپ دو ہی تھے؟"

"جی۔ اس وقت تو اور کوئی نہ تھا، لیکن ابھی چند منٹ پہلے یہاں ایک صاحب اور بیٹھے تھے۔"

"کیا وہ میجر کے بالکل قریب بیٹھے تھے؟"

"جی نہیں، وہ سامنے والی نشست پر تھے۔"

Akram Allahabadi

"انھوں نے منیجر کو کوئی چیز پیش کی تھی؟"

"صرف ایک سگریٹ۔"

"سگریٹ؟" خان سگریٹ کا لفظ دہراتے ہوئے چونک پڑا۔اور پھر وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر ہجوم کو قدرے پیچھے دھکیلنے لگا۔اس کی محنت اکارت نہیں گئی۔نصف سے زیادہ جلی ہوئی ایک سگریٹ کا ٹکڑا میز سے ایک قدم دور پڑا تھا،لیکن وہ کسی کا پیر پڑ جانے کی وجہ سے بجھ بھی گئی تھی اور دب کر چپٹی بھی ہو گئی تھی۔اس نے جیب سے رومال نکال کر اسے احتیاط سے اس میں رکھ لیا۔

"وہ کس قسم کا آدمی تھا؟"

"اوسط قد و قامت کا نوجوان تھا۔کشمشی رنگ کا سوٹ پہنے تھا،رنگ گورا تھا اور آنکھیں چھوٹی۔اس نے خود کو کسی بینک کا ایجنٹ بتایا تھا۔"مسز سلیم نے بتانا چاہا۔

"بس بس،کافی ہے۔"خان نے اپنی میز پر آ کر بیٹھنے والا آدمی یاد آ گیا۔اس نے ایک کرسی پر پیر رکھ کر اوپر اچھلتے ہوئے اپنی میز کی طرف دیکھا،وہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔میز خالی تھی۔

"آخر بات کیا ہے؟"مجمع میں سے کسی نے سوال کیا۔

"آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی،مگر مسز سلیم،آپ کے شوہر کو قتل کیا گیا ہے۔" خان نے دبے لہجے میں کہا۔

"قتل۔"وہ تقریباً چیخ پڑنے والے انداز میں اچھل پڑی۔اور بہت سے آدمیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔پورے ہال میں سنسنی کی ایک لہر پھر دوڑ گئی۔سب کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے۔ہوٹل کا منیجر خان کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"آپ فوراً ہال کے سارے دروازے بند کرا دیجیے،ممکن ہے وہ ابھی یہیں ہو۔" خان نے اس سے کہا۔اور وہ ایک لمحہ لگائے بغیر بھیڑ سے نکل کر داخلی دروازے کی طرف دوڑا،

جہاں بہت سے ویٹر ابھی کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"تمام دروازے فوراً بند کردو، میجر سلیم کا خون ہوگیا ہے۔" منیجر نے خوفزدہ لہجے میں انھیں ہدایت کی اور مشین کے آدمیوں کی طرح فوراً دوڑ پڑے۔

مگر بے سود، خان کو وہ شکل پھر وہاں نظر نہ آئی، البتہ ہوٹل کے لان والے دربان نے صرف اتنا بتایا کہ دس پندرہ منٹ پہلے اس نے ایک کشمشی رنگ کے سوٹ والے جوان آدمی کو باہر نکل کر ایک چھوٹی سی سرخ کار میں بیٹھتے دیکھا تھا اور وہ کار اسی کے سامنے ہوٹل کے بغیچے کے احاطے سے باہر نکل گئی تھی۔ دربان کار کا نمبر تو نہ دیکھ سکا، البتہ اس کی نمبر پلیٹ کے حروف BMA جو نمبروں سے پہلے تھے، یہ اسے یاد تھے۔

خان اس تفتیش کے بعد لوٹ آیا اور کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کا ڈائل گھما کر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو، ایکسچینج۔"

"ہیلو، ایس پی، ایس ڈی پی اسپیکنگ۔" خان نے پولیس ایکسچینج کو مخاطب کیا۔

"اٹینڈنگ سر۔" ادھر سے جواب ملا۔

"تمام اسٹیشنوں اور پٹرولنگ وائرلیس گاڑیوں کو اطلاع دے دو کہ سرخ رنگ کی آسٹن مورس گاڑیوں کو چیک کریں۔ کار نمبر BMA سے شروع ہوتا ہے، ہندسے معلوم نہیں۔ ہر مشتبہ آدمی کو روکا جائے۔" خان نے کہا۔

"او کے، سر۔" ادھر سے جواب ملا۔ ساتھ ہی خان نے رسیور رکھ کر فون منقطع کردیا۔ مسز میجر سلیم اب تک شوہر کی لاش کے پاس سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ خان نزدیک آ گیا۔

"کیا میجر کوئی قیمتی چیز لیے تھے، یا کوئی بڑی رقم؟"

"رقم؟ جیب میں وہ کبھی بڑی رقم لے کر نہیں نکلتے تھے۔"

"کوئی اور خاص چیز؟ میرا مطلب ہے ان چیزوں کے علاوہ۔" خان نے میجر کی

جیبوں کی لی گئی تلاشی میں برآمد ہونے والے کچھ کاغذات، ایک نوٹ بک، منی پرس، فاؤنٹین پین، سگریٹ کیس، ماچس کی طرف اشارہ کیا۔ یہ چیزیں میز پر رکھی ہوئی تھیں۔

"اور وہ کنجی؟" مسز سلیم پرس کھول کر دیکھتے ہوئے چونک کر بولیں۔ "مگر یہ پرس تو ان کا نہیں ہے۔" انھوں نے دوبارہ غور کر کے کہا۔

"پرس ان کا نہیں ہے؟" خان نے دہرایا۔ "اور کنجی کیسی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"جی، اس کا ملنا بہت ضروری ہے، خدا کیلیے اسے ڈھونڈیے، ورنہ میں برباد ہو جاؤں گی۔" مسز سلیم خان کے سامنے گڑگڑانے لگیں۔

"آخر ایسی کیا بات تھی اس کنجی میں؟" خان نے ہمدردی سے پوچھا۔

"وہ سیف ڈیپازٹ کی چابی ہے۔ ایک ان کے پاس اور دوسری میرے پاس رہتی تھی۔"

"کس جگہ کی؟" خان نے دریافت کیا۔

"مرکنٹائل بینک کی۔"

"میرے تمام جڑاؤ زیورات تھے اس میں۔ میں تو برباد ہو جاؤں گی، پولیس افسر۔ خدا کیلیے میری مدد کیجیے۔"

"آپ گھبرایے نہیں، حوصلہ رکھیے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" خان نے اسے تسلی دی اور پھر اور کچھ کہے بغیر وہ اٹھ کر دوبارہ فون پر گیا۔ مسز سلیم پیچھے پیچھے تھیں۔ خان نے مرکنٹائل بینک کا نمبر ملایا، لائن خالی تھی۔

"لاک کا کیا نمبر تھا؟" خان نے مسز میجر سلیم سے پوچھا۔

"۵۷۔" مسز سلیم نے جواب دیا۔

"ہیلو، کیا آپ فضل بھائی؟" خان نے فون پر پوچھا۔

"جی ہاں، میں ہی بول رہا ہوں۔"

Akram Allahabadi

"آپ بتاسکیں گے کہ کیا کوئی آدمی پچھلے نصف گھنٹے کے اندر اندر آپ کے سیف ڈیپازٹ سے کچھ نکالنے آیا تھا؟" خان نے سوال کیا۔

"ٹھہریے، میں پوچھتا ہوں۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ ایک منٹ کیلیے فون پر خاموشی رہی، پھر ادھر سے آواز آئی۔

"جی۔" مرکنٹائل بینک کے منیجر فضل بھائی نے جواب دیا۔

"اوہ تو مارے گیا کمبخت۔" خان نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

"مارے گیا، کیا؟ کون؟" بینک کے منیجر نے فون پر حیرت سے پوچھا۔

"آپ ابھی نہیں سمجھیں گے، بہر حال میں خود آرہا ہوں، وہیں سمجھا دوں گا۔" خان نے جواب دیا۔

"اوہ تو آپ خان صاحب بول رہے ہیں، معاف کیجیے گا، پہلے میں آواز نہ پہچان سکا تھا۔" ادھر سے منیجر نے گرمجوشی کا اظہار کیا۔

"خیر شکر ہے کہ اب تو پہچان لیا۔" یہ کہہ کر خان نے ریسیور رکھ دیا۔ اس وقت تک ٹنڈر روڈ ایریا کا ڈیوٹی آفیسر بمعہ دو سپاہیوں کے آپہنچا تھا۔ خان کو پلٹتے دیکھ کر اس نے اٹینشن ہو کر سلامی دی۔

"ایمبولینس منگا کر میجر کی لاش کو کارونر پہنچا دیجیے۔" خان نے اسے ہدایت کی۔

"اور آپ میرے ساتھ آیے، مسز میجر سلیم۔" خان نے مسز سلیم کو بھی مخاطب کیا۔ وہ خاموشی سے مغموم انداز میں سر جھکائے ساتھ ہو لیں۔ اپنی بیس، اکیس سالہ عمر میں یہ جوان بیوہ انتہائی معصوم اور پرکشش حسن رکھتی تھی۔ اس کا جسم لوچدار گداز تھا۔ اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی اور سحر طراز تھیں، لیکن اتنی حسین عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی زندگی میں وہ بڑی سادہ اور سنجیدہ واقع ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر ابھری ہوئی قلبی حزن و ملال کی دردانگیز کیفیت مقتول شوہر کے ساتھ اس کی روحانی محبت کی غمازی کر رہی تھی۔ اس سے ٹھیک سے چلا نہ جا رہا تھا۔ وہ

Akram Allahabadi

بے حد نڈھال ہوئی جارہی تھی۔

"اس طرح تو ڈر ہے کہ آپ کہیں گر نہ پڑیں، اگر کوئی عذر نہ ہو تو آپ میرا سہارا لے سکتی ہیں۔" خان نے پرخلوص پیشکش کی۔

"شکریہ، لیکن میں چل سکوں گی۔"

"ہونی ہو چکی ہے، اس طرح نڈھال ہونے سے فائدہ؟"

"میں کیا کروں؟ میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔" پورٹیکو تک آکر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"صدمہ جوتازہ ہے۔بہرحال صبر ایسے زخم کے بہترین مرہم ہے۔" خان نے تلقین کی۔

"کوشش کررہی ہوں۔" وہ باہر کھڑی ہوئی خان کی کار میں پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"خان نے ہوٹل کے منیجر کو پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچنے کی ہدایت کرتے ہوئے کار اسٹارٹ کردی۔اس کارخ مرکنٹائل بینک کی طرف تھا۔

لیکن مرکنٹائل بینک پہنچنے پر خان کا شبہ درست نکلا۔ ۵۷ کے سیف ڈیپازٹ میں کچھ بھی نہ تھا۔پراسرار مجرم اس میں اچھی طرح جھاڑو دے گیا تھا۔یہ دیکھ کر مسز سلیم تیورا کر فرش پر گر پڑتیں، اگر خان انھیں اپنے بازوؤں میں نہ تھام لیتا۔ایک لمحے کیلیے اس حسین گداز جسم کے لمس سے اس کے تمام جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی، لیکن فوراً ہی اس نے مسز سلیم کو جھنجوڑ کر چونکا دیا۔

"گھبرایئے نہیں، میڈم، میجر سلیم کی زندگی تو خیر واپس نہیں آسکتی، لیکن آپ کے زیورات ضرور ڈھونڈ نکالے جائیں گے۔" سپرنٹنڈنٹ خان نے اسے حوصلہ دلانے کی کوشش کی۔

Akram Allahabadi

"مجھے میرے گھر پہنچا دیجیے، آپ کی مہربانی ہوگی۔" مسز سلیم نے مری ہوئی آواز میں التجا کی۔

"ہاں ہاں، چلیے۔ میں آپ کا بیان پھر کسی وقت لے لوں گا۔" یہ کہہ کر خان بازو سے اسے سہارا دے کر باہر لے آیا۔ اب تک بینک کا منیجر کچھ نہ سمجھ پایا تھا۔ اس سے نہ رہا گیا تو پوچھ ہی بیٹھا۔

"آپ کی سیف ڈپازٹ سے مسز میجر سلیم کے قیمتی جڑاؤ زیورات غائب کر دیے گئے ہیں۔" خان نے مختصر سا جواب دیا۔

"سیف ڈپازٹ سے زیورات؟" منیجر حیرت میں پڑ گیا۔ "مگر میجر سلیم کا ۵۷ تھا۔" وہ بولا۔

"۵۶ اور ۵۷ پر ہاتھ صاف کر گیا اور یہ اس کیلیے کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ وہ پہلے ہی سے سب انتظام کر چکا ہوگا۔" خان نے بتایا۔

"عجیب مصیبت ہے، لیکن میجر صاحب کہاں ہیں؟" منیجر نے پوچھا۔

"یہ کل صبح کے اخبارات میں دیکھ لیجیے گا۔" خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اور ہاں، ذرا مجھے ۵۶ والے کا نام پتا وغیرہ تو دے دیجیے۔" خان نے سوال کیا۔

"ابھی لیجیے۔" منیجر نے سر ہلا کر جواب دیا اور پھر لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا آفس کی طرف چلا گیا۔ خان مسز سلیم کو سہارا دیے وہیں کھڑا رہا۔ منیجر کو لوٹنے میں صرف پانچ منٹ لگے۔ وہ ایک چٹ پر لاک ۵۶ کے مالک کا نام اور پتا لکھ کر لے آیا تھا جو اس نے خان کو تھما دی۔ اس پر شانتی لال ۱۶ اتر بھون روڈ لکھا تھا۔

"کب سے تھا یہ لاکر اس کے قبضے میں؟"

"میرے خیال میں ہفتہ دو ہفتے کی بات ہے، اس سے پہلے یہ ایک مدراسی تاجر کے قبضے میں تھا، جس نے یہاں سے کلکتہ جاتے وقت اسے چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے شانتی لال کو الاٹ

Akram Allahabadi

کر دیا گیا۔"

"آپ نے تو اس شانتی لال کو دیکھا ہو گا؟"

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے، ممکن ہے سامنے دیکھ کر پہچان لوں۔"

"خیر اس کی ضرورت پڑی تو آپ کو تکلیف دی جائے گی۔" خان نے مصافحے کیلیے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"میں ہر طرح، ہر خدمت کیلیے حاضر ہوں۔" منیجر فضل بھائی نے ہاتھ ملاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"شکریہ۔" یہ کہہ کر خان مسز سلیم کو لیے سیڑھیاں اتر کر باہر نکل آیا اور کار میں اسے اپنی برابر والی سیٹ پر بٹھا کر میجر سلیم کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ مقتول میجر کے واقف کاروں میں تھا، اگر چہ ان کے زیادہ قریبی تعلقات نہ تھے، اور یہی وجہ تھی کہ اس نے میجر کی بیوی کو بھی اب سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس نے مسز سلیم کی غم انگیز کیفیت کا احساس کر کے انھیں احتیاطاً اب کی بار اگلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

چیلنج

گھر پہنچنے پر میجر سلیم کے کچھ رشتے دار آچکے تھے، جنہیں براہِ راست کیفے نشاط سے میجر کے قتل کی خبر مل چکی تھی۔ میجر معمولی شخصیت نہ رکھتا تھا کہ یہ بات چھپی رہ جاتی۔ ان رشتے داروں نے مسز سلیم کو دیکھتے ہی آکر گھیر لیا۔ اور ان میں سے بعض عورتیں جو نیم تہذیب یافتہ معلوم ہوتی تھیں، خان جیسے اجنبی کے سامنے ہی اس طرح بلک بلک کر رونے لگیں، جیسے ان کی اپنی موت آگئی ہو۔ یہ دیکھ کر خان کو مصر کی وہ پیشہ ور رونے والیاں یاد آگئیں جنہیں مرنے والے کسی مصری کے قریبی عزیز جنازے کے ساتھ روتے ماتم کرتے چلنے کیلیے معاوضے پر بلایا کرتے تھے۔ گویا اس طرح اگر عزیزوں کے آنسو نہ بہتے تو وہ ان کی کمی کو پورا کر دیا کرتیں۔ اس نے یہی مگر مچھ کے آنسو ان لوگوں کی آنکھوں میں دیکھے اور حقارت سے مسکرا دیا۔ مسز سلیم سمجھ گئیں۔ وہ ان ماتم سرا عزیزوں پر توجہ نہ دیتی ہوئی نڈھال کیفیت میں ایک بید کی بنی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"اس وقت آپ کو سکون و آرام کی ضرورت ہے، میں آپ سے پھر کبھی ملاقات کروں گا۔" خان نے رخصت طلب کی۔

"میں آپ کے اس خلوص کی مشکور ہوں۔" مسز سلیم نے مختصر سا جواب دیا۔

"یہ تو میرا فرض تھا۔" یہ کہتا ہوا سپرنٹنڈنٹ خان اپنی کیپ سنبھال کر باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

اس وقت مرکنٹائل بینک کے منیجر کی دیے ہوئے شانتی لال کے پتے پر تحقیق کیلیے جا رہا تھا اور اسے اس جگہ پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ ۲۵ منٹ لگے۔ وہ بلڈنگ بھی بغیر کسی دقت

Akram Allahabadi

کے مل گئی۔مگر شانتی لال کے بارے میں یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ وہ ایک ہفتہ قبل یہاں سے کہیں اور منتقل ہو گیا ہے۔کہاں؟ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔شانتی لال کے فلیٹ سے ملے ہوئے فلیٹ میں رہنے والے سہراب جی سے خان نے خاص طور پر کھود کھود کر پوچھا،لیکن وہ صرف اتنا بتا سکا کہ 'میں نے اسے دو بار دو اتواروں کو لیک پول ہوٹل میں دیکھا تھا،لیکن میرے اس سے کوئی مراسم نہ تھے،اس لیے اس کے بارے میں جاننے کیلئے کبھی کوئی موقع نہ ملا۔وہ بہت محتاط رہتا تھا۔اس بلڈنگ میں اس نے خود کو ایک امیٹیشن ڈائمنڈ فیکٹری کا ایجنٹ مشہور کر رکھا تھا'۔"

بظاہر سہراب جی کے اس بیان کی کوئی اہمیت نہ تھی،لیکن خان نے جب اس کی بتائی ہوئی باتیں اپنی نوٹ بک میں لکھیں تو سنجیدگی سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

اس وقت رات کے نو بج رہے تھے اور وہ اس گڑبڑ کی وجہ سے کیفے نشاط میں کھانا بھی نہ کھا سکا تھا،حالانکہ آج وہ یہی سوچ کر گیا تھا۔بجائے پولی اسٹیشن کے اس نے اپنی کار اپنی رہائش گاہ کی طرف موڑ دی۔اسے اس وقت شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔

"غلام رسول،کھانا لگاؤ۔"اس نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے نوکر سے کہا۔

"مگر صاحب آج تو آپ..."

"مجھے بھوک لگی ہے جو کہہ رہا ہوں،صرف اتنا سنو۔"

"لیکن آپ کے ہوٹل میں کھانے کے پروگرام کی وجہ سے آپ کا کھانا نہیں پکایا گیا،صاحب۔"غلام رسول نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اوہ۔خیر،کچھ بسکٹ،مکھن،سینکے ہوئے توسٹ ہی لے آؤ،چائے کے ساتھ،مگر جلدی۔"یہ کہہ کر خان نے اپنا کوٹ اتار کر لاپرواہی سے صوفے پر پھینک دیا۔گلے میں ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرنے لگا،لیکن اسی وقت اس کے ہاتھ رک گئے۔اس کی نگاہیں اس سفید لفافے پر جم گئیں جو ابھی ابھی اس کی جیب سے پھسل کر گرا تھا۔بہت دیر تک اس نے اپنی دھن میں کھوئے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنی جیبوں میں ہاتھ نہ ڈالا تھا،ورنہ شاید یہ لفافہ اسے پہلے مل

Akram Allahabadi

گیا ہوتا۔ اس نے ٹائی ڈھیلی چھوڑ کر وہ لفافہ اٹھا لیا۔ یہ ایک اوسط قسم کا عام لفافہ تھا، جس پر صرف 'مسٹر خان' لکھا ہوا تھا۔

اسے چاک کر کے خان نے اندر رکھا ہوا نیلے رنگ کا ایک کاغذ نکال لیا اور اسے پڑھنے لگا۔ شاید اس کی تحریر دلچسپ اور قابلِ غور تھی، اسی وجہ سے وہ پڑھتے پڑھتے اسی کیفیت میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ یہ ایک خط تھا، جس کا آغاز ہی ایک دلچسپ طنز کے ساتھ کیا گیا تھا۔ لکھا تھا،

مائی ڈیئر جاسوس!

اپنے غریب اسسٹنٹ کو جیل میں ڈال کر مجھے مغالطہ دینے کی کوشش تمہاری فضول سی حرکت تھی، لیکن تم کیا کرتے کہ میں خود ہی اس الو کے پٹھے کو قانون کی ستم ظریفی کا ذرا سا لطف دینے کیلئے اسباب ہی ایسے مہیا کر دیے تھے کہ بہر صورت اس پر کرم چند کے خون کا الزام لگتا۔ بہر حال اب وہ بے چارہ بھی کافی دبلا ہو گیا ہوگا، اس لیے میری یہ تحریر اسے آزاد کرا دے گی اور ہاں، میرے عظیم جاسوس تم وقعی نرے احمق ہو، تم میرے سائے سے بھی واقف نہ ہوئے ہوتے بھی میری تلاش میں سرگرداں تھے اور میں کیفِ نشاط میں تمہاری میز پر تمہارے پاس بیٹھ کر تم سے نیاز حاصل کر کے جا رہا ہوں۔ میں نے اس کنجوس میجر کو بڑے گھر پہنچنے کا ٹکٹ دے دیا ہے، وہ ابھی ایک منٹ بعد مر جائے گا۔ تم اس تماشے کو دیکھنے کو دوسروں کے ساتھ دوڑو گے اور میں اسی وقت تمہارے سامنے ہی اس کا وہ پرس بدل دوں گا جس میں جڑاؤ زیورات والے سیف ڈیپازٹ کے لاک کی چابی ہے۔ اور پھر تم اچھی طرح جھک مارتے رہنا۔

اور ہاں دیکھو، گریٹ جاسوس، بہتر ہوگا کہ اب تم چوڑیاں پہن لو، کیونکہ مجھے گرفتار کرنا تو دور، تم میری گرد کو بھی نہ پا سکو گے۔ میں نے بہت سے

عقلمند چراتے ہیں اور تم بھی ان میں سے ایک ہو۔ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ یہ تو تمہارے فرشتے بھی نہ جان سکیں گے، لیکن چونکہ اب تم ہی بزعم خود میدان میں آرہے ہو تو میں تمہیں اور تمہاری پوری پولیس فورس کو چیلنج کرتا ہوں کہ میں ۱۱، مارچ کو یونین بینک کے کیش ریزرو کا صرف ۱/۲ حصہ اپنی جیب خرچ کیلیے لے جاؤں گا۔ تم سے اور تمہاری نکمی فوج سے ہو سکے تو مجھے روک لے۔ مجھے جیب خرچ کیلیے بھاری رقموں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے اور اس کیلیے میں دو چار مچھروں کو مار ڈالنا زیادہ بد اخلاقی نہیں سمجھتا۔ ہاں تو پھر یونین بینک پر ملاقات ہوگی۔ فقط تمہارا چچا نومین۔

خان نے غور سے اس تحریر کو دوبارہ پڑھا، پھر اس نے اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ غلام رسول مشین جیسی پھرتی سے سب چیزیں تیار کر کے لے آیا تھا۔ خان کھانے میں مصروف ہوگیا۔ شاید اس نے اس خط کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ اس کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆

"آپ نے مجھ غریب کو ناحق رہائی دلوائی۔"

"کیوں؟ کیا حوالات کی زندگی اچھی خوبصورت ہے؟"

"کچھ نہ پوچھیے۔ میں تو خدا سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو کروٹ کروٹ حوالات نصیب کرے۔ کیا رومانی مقام ہے، واللہ۔ بس دن رات لیٹے رہو تصور جاناں کیے ہوئے۔ میری تو کئی سال کی تھکن دور ہوگئی۔" بالے کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔

"داروغہ جیل نے تمہیں لڈو تو کھانے کو دیے ہوں گے؟"

"جی ہاں۔ شاید آپ کی سالگرہ کے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اب آپ خیر سے سات برس کے ہوگئے ہیں۔"

"بیٹے ،اگر مجرم نے اقبالِ جرم نہ کر لیا ہوتا تو مجھے تمہاری بڑی منانی پڑتی۔"

"تو کیا وہ گرفتار ہو گیا؟"

"گرفتار؟ ہونہہ۔ابھی تک کوئی اس کا سایہ بھی نہ دیکھ سکا۔اس مرتبہ یقیناً ہم کسی افلاطونی حلوے سے شوق نہیں فرما رہے ہیں۔اس نے پوری پولیس فورس کو چیلنج کیا ہے۔" خان نے بتایا۔

"چیلنج کیا ہے؟ کیا گاما پہلوان کا بھتیجا ہے کوئی؟"

"وہ تو خود تمہیں تجربہ ہو جائے گا،لیکن ذرا سی چوک پر وہ ملک الموت سے کم نہیں۔"

"تعجب ہے کہ آج آپ کے منہ سے ایک سنسنی خیز مجرم کی بڑائیاں سن رہا ہوں۔"

"دشمن کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔اور پھر یہ عام عادی مجرموں میں سے نہیں ہے۔"

"ضرور کوئی تیس مار خاں ہوگا۔"

"وہ کوئی خاں بھی ہوا تو ہم کسی نہ کسی دن سمجھ ہی لیں گے،لیکن اس بار کافی محتاط ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔" خان نے سمجھایا۔

"تو پھر میں احتیاطاً گھر سے باہر ہی نہ نکلوں گا۔"

"حرامخوری کے عادی ہوتے جا رہے ہو شاید۔"

"یہ سب آپ ہی سے سیکھ رہا ہوں۔ویسے مجھے حلال خور بننا بھی پسند نہیں۔میں ڈاکٹر ایمبیسڈر کو اپنا لیڈر نہیں مانتا۔"

"بس اب چونچ بند رکھو،ہمیں کل اس کے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے۔"

"مقابلہ کل کرنا ہے،اور دبلے ہوئے جا رہے ہیں آپ آج سے۔"

"میں اس پر ابھی سے تمام راستے مسدود کر دینا چاہتا ہوں۔" خان نے کار کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے کہا۔

"یہ گاڑی کہاں روک رہے ہیں آپ؟" بالے نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

”ضروری نہیں کہ تمہیں ہر بات بتا دی جائے۔یہیں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔“

تو یہ بھی ضروری نہیں کہ میں حضور کے ڈرائیور کی طرح یہاں تنہا بیٹھا جھک ماروں۔“

”بند کرو اب بکواس اپنی۔گاڑی پیچھے ہٹا کے سڑک کے اس گلی والے موڑ پر کھڑی کر لینا۔“ خان نے اسے ہدایت کی اور خود لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ کر ایک بنگلے کے بیرونی پھاٹک میں داخل ہو گیا۔یہ میجر سلیم والا بنگلہ تھا۔خلاف توقع برآمدے میں سیاہ لباس میں ملبوس کھڑی مسز میجر سلیم اسے دیکھ کر چونک پڑی۔اس کے اداس چہرے پر ایک خفیف سی خوشی کی لہر دوڑی، لیکن پھر اداس ہو گئی۔

”کہیے، کیسے مزاج ہیں؟“ خان نے اس کے قریب جا کر کہا۔

”زندہ ہوں۔“ مسز میجر سلیم نے لمبی سرد سانس کھینچ کر کہا۔

”کیا آپ میجر سلیم سے قریبی تعلق یا دوستی رکھنے والے کسی آدمی یا آدمیوں کو جانتی ہیں؟“ خان نے بید کی ایک کرسی اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے برآمدے میں ہی جم گیا۔

”میرے خیال میں آپ اندر ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھیے۔وہ زیادہ آرام دہ جگہ ہے۔“ مسز میجر سلیم نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

”چلیے۔“ خان ساتھ ہو لیا۔ڈرائنگ روم میں آکر وہ صوفہ سیٹ کی کشنڈ چیئرز پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ضبط اور احتراز کی شدید کوشش کے باوجود مسز میجر سلیم کے اس پر کشش حسین چہرے کو اتنے قریب سے اور سامنے دیکھ کر وہ کچھ کھو سا گیا۔خاص کر مسز سلیم کی کھلی ہوئی آنکھوں میں ایک ساحرانہ کھنچاؤ تھا۔اس سے کچھ دیر تک نظریں ملانے کے بعد نگاہیں آپ سے آپ بار بار اس کی آنکھوں کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔وہ بالے کو بھی صرف اسی لیے ساتھ نہ لایا تھا کہ جب اس جیسے سنیاسی قسم کے آدمی کا مسز میجر سلیم کے سامنے یہ حال ہے تو بالے بے چارہ ریشہ خطمی ہو جاتا، اگر اتنے قریب سے دیکھ پاتا۔

”میں نے بھی خود ان سے آپ کی تعریف سنی تھی، وہ کہتے تھے کہ آپ اپنے دور کے

مایۂ ناز سراغرساں ہیں۔" مسز میجر سلیم نے کہنا شروع کیا۔

"لوگ میرے بارے میں بہت کچھ کہتے اور سمجھتے ہیں، لیکن میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ایک سرکاری مشین ہوں، جس کا کام قانون اور امن کے دشمنوں کو منظرِ عام پر کھینچ لانا ہے۔" خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ تو آپ کا انکسار ہے۔" مسز سلیم اپنی سنجیدہ مغموم کیفیت میں بھی مسکرا دی۔

اتنے میں مرحوم میجر کا بوڑھا نوکر ٹرے میں چائے لے آیا، جو غالباً پہلے ہی سے مسز سلیم کیلئے تیار تھی۔ مسز سلیم نے اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر خان کو پیش کی۔ اور پیالی بڑھاتے وقت غیر ارادی طور پر ان کی نگاہیں پھر آپس میں ٹکرا گئیں۔ خان کو جھرجھری سی آ گئی۔

"ہاں تو آپ نے میجر کے خاص خاص دوستوں کا نام نہیں بتایا۔" خان نے چونک کر سنبھلتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ کے خیال کے مطابق ان کی جان محض جڑاؤ زیورات کی خاطر لی گئی ہے اور جہاں ان کے سیف ڈیپازٹ میں رکھے جانے کا تعلق ہے اس حقیقت کو صرف میں اور وہ جانتے تھے۔" مسز سلیم نے بتایا۔

"ممکن ہے اس سلسلے میں آپ کی گفتگو کسی نے سنا ہو؟"

"اوہ ہاں، یاد آیا۔ ہمیں اپنی قیمتی چیزیں مرکنٹائل بینک کے سیف ڈیپازٹ میں رکھنے کا مشورہ کپتان قادر نے دیا تھا۔" مسز سلیم نے کچھ سوچتے ہوئے بتایا۔

"کپتان قادر؟ آپ کا مطلب وہ جنرل موٹرز کا ایجنٹ؟" لیکن یہ جملہ ادا کرتے ہوئے خان خود 'ایجنٹ' کے لفظ پر چونک پڑا۔ "ایجنٹ۔" چھت گھورتے ہوئے اس نے دبی زبان سے دہرایا۔

"جی وہی۔ آپ شاید ان سے واقف ہیں۔" مسز سلیم نے پوچھا۔

"میں نے صرف نام سنا ہے، واقفیت اب حاصل کروں گا۔"

"کپتان قادر اور ان میں پرانی دوستی تھی۔ دونوں فوجی زندگی سے ایک ساتھ ریٹائرڈ ہوئے تھے۔" مسز سلیم نے بتایا۔

"کچھ اور بھی جانتی ہیں آپ ان کے بارے میں؟"

"سوائے اس کے کہ کسی زمانے میں ان کی شادی کسی حیدرآبادی رئیس کی لڑکی سے ہوئی تھی جو سال بھر کے بعد ہی ایک کار کے حادثے میں مرگئی تھی اور تب سے کپتان قادر نے دوسری شادی نہیں کی۔ سنا ہے اپنی فوجی سروس میں وہ کسی خاص شعبے کے انجینئر تھے۔ اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں۔" مسز سلیم یہ کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

"کافی ہے۔ بہر حال مجرم بہت پراسرار ہے اور غالباً ان چیزوں سے اس کی شخصیت پر کوئی روشنی نہ پڑ سکے گی۔ میں اس کیلیے دوسرے طریقے اختیار کروں گا۔ آپ کی اس تکلیف کا بہر حال شکریہ۔" خان یہ کہہ کر ہیٹ سنبھالنے لگا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" مسز سلیم مسکرائی۔ "تکلیف تو آپ کو اٹھانی پڑ رہی ہے اس دوڑ دھوپ میں۔" اس نے مصافحے کیلیے اپنا مرمریں ہاتھ بڑھادیا۔ ویسے اندازِ تکلم اور طور طریق سے بھی وہ خاصی تعلیم یافتہ اور ترقی پسند معلوم ہوتی تھی، اس لیے اس پر خان کو کوئی تعجب نہ ہوا، لیکن جب اس نے مسز سلیم کے نرم وسفید ہاتھ کو مصافحہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ میں لیا تو ایک کرنٹ سا اس کے تمام جسم میں دوڑ گیا۔ دل کی ضد کے خلاف اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ہیٹ سر پر رکھتے ہوئے اشارے سے رخصتی سلام کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

"شبِ وصال بھی کتنی دراز ہوتی ہے۔" بالے خان کو نزدیک آتے دیکھ کر گنگنانے لگا۔

"تم اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ، یہ دن کا وقت ہے۔"

"اچھا تو یوں کہہ لیجیے، دنِ وصال بھی..."

Akram Allahabadi

"شٹ اپ۔" خان کار میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"شٹ کر لیا، لیکن یہ شاعرانہ رعایت سمجھ میں نہیں آئی کہ شبِ وصال دراز ہوتی ہے یا مختصر؟" بالے نے اپنی بکواس جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"ایک ہاتھ دوں گا تو دماغ ٹھکانے آجائے گا۔"

"میرے پاس تین ہاتھ ہو جائیں گے اور آپ یقیناً پھر ایک ہاتھ سے زیادہ خوبصورت معلوم نہ ہوں گے۔" بالے شاید اس وقت بولنے پر ادھار کھائے ہوئے تھا۔

"اچھا تم گاڑی سے اترو۔" خان نے یہ کہتے ہوئے کار روک دی۔

"گریٹ انسلیٹ۔"

"یو فول۔" خان نے اس کی گردن میں ہاتھ دیا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ کار کا دروازہ کھول چکا تھا۔ بالے ایک ہلکے سے دھکے سے باہر آگیا۔

"یہ کونسا جنون ہے آپ کا؟" بالے بری طرح زچ ہو کر روندھی آواز میں بولا۔

لیکن جواب میں خان ایک کاغذ کا پرزہ بڑھاتے ہوئے مسکرا دیا۔

"ٹیکسی پکڑ لو یہاں سے اور مجھے شام تک کپتان قادر کے بارے میں مفصل رپورٹ چاہیے۔" خان نے اسے ہدایت کی۔

"چہ خوش۔ اس بے عزتی کے بعد بھی آپ مجھ سے اتنی محنت کی امید رکھتے ہیں؟"

"تمہارے فرشتے کریں گے، ورنہ آج تک تم نے جس قدر حرام کی تنخواہیں لی ہیں سب کا سود بھی وصول کر لیا جائے گا۔" خان نے یہ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔

"ارے، مگر سنیئے تو۔" بالے نے جھنجلائے ہوئے انداز میں آواز دی۔ "میرے پاس ٹیکسی کے پیسے نہیں ہیں۔" اس نے اسے روکنے کیلیے بہانا بنایا۔

"بینک میں جو رقم ہے اسے نکال لو۔" خان نے کار کو آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ میرے بال بچوں کیلیے ہے۔"

Akram Allahabadi

"ان کی امید چھوڑ دو، تمہاری تقدیر میں نہیں ہیں۔" یہ کہتا ہوا خان کار لے کر نکل گیا
اور بالے کھڑا سر کھجاتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پولیس کو شکست

خفیہ مسلح پولیس یونین بینک کے گرد تعینات ہو چکی تھی اور بینک کی حدود میں کسی بھی مشتبہ شخص کے داخلے کے تمام امکانات مسدود کر دیے گئے تھے۔ اتوار ہونے کی وجہ سے آج بینک میں تعطیل تھی، لیکن اس خطرناک نامعلوم تنبیہ کے بعد جو اسے گمنام مسٹر نومین کی طرف سے پراسرار طریقے پر موصول ہوئی تھی، بینک کا منیجر پولیس کا معقول انتظام کے بھروسے پر وہاں موجود تھا۔ کیش رزرو کے موٹے آہنی دروازے پر بھی مسلح پولیس کا پہرہ تھا اور بینک کے باہر اس کے چاروں طرف سڑکوں اور پچھلے میدان میں خفیہ پولیس کے آدمی سادہ لباس میں تفریح پسند شہریوں کی طرح ٹہل رہے تھے۔ راستوں سے گزرنے والے ہر شخص اور ہر کار پر گہری نظر رکھی جا رہی تھی۔

پراسرار نومین نے بینک کے کیش رزرو روم پر ہاتھ صاف کرنے کا وقت ٹھیک دوپہر کے ایک بجے کا مقرر کیا تھا۔ اور اس وقت بارہ بج کر ۲۰ منٹ ہو چکے تھے۔ پانچ منٹ بعد ہی سپرنٹنڈنٹ خان بھی اپنی کار میں آ پہنچا، لیکن اس وقت وہ اکیلا تھا۔ بالے اس کے ساتھ نہ تھا۔ بینک منیجر، سارجنٹ، اسرار احمد، جامی انسپکٹر ساونت، ڈی آئی جی تک موجود تھے۔ ایس پی بھائی جی کو اس پراسرار شخصیت پر قطعی یقین نہ تھا۔ وہ اس چیلنج کو محض ایک مذاق تصور کر رہے تھے، اسی وجہ سے وہ موقع پر موجود ہونے کے باوجود انتظامات میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ ڈی آئی جی خود حضور خاں کے شبے کو غلط تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے، کیونکہ انھیں یقین تھا کہ سپرنٹنڈنٹ خان کبھی کسی غیر اہم چیز کو اہمیت نہیں دیتا۔ بھائی جی ہر مجرم کو، خواہ وہ کتنا ہی پراسرار، یا خوفناک کیوں نہ ہو، اپنے نزدیک چوہا سمجھتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وہ ان کے کان کتر جاتے۔ مگر اپنی ضدی فطرت کے باوجود وہ دل کے بہت اچھے آدمی تھے۔ اس لیے وہ ہر

Akram Allahabadi

صداقت کا اعتراف دل ہی دل میں کر لیا کرتے تھے۔خان کے آتے ہی ان کا موڈ کچھ بگڑ گیا۔

''اب تم یقیناً اس چوہے کی پراسرایت کا سکہ جما کر پولیس والوں کو خوفزدہ کردوگے۔'' وہ خان کو دیکھ کر بولے۔

''پولیس والے اگر خوفزدہ ہو جائیں تو ان سے کمترین نسل کے چوہے کہیں ڈھونڈے نہ ملیں گے۔'' خان مسکرایا۔

''دیکھنا یہ ہے کہ پولیس کی آنکھوں میں کس طرح دھول جھونکتا ہے وہ تمہارا نومین۔''

''اگر وہ میرا نومین ہوتا تو میں اسے یقیناً تمہاری شاگردی میں دے دیتا۔بہرحال دیکھتے جایے ہم جسے لقمۂ تر سمجھیں، ممکن ہے وہ ہمیں لوہے کے چنے چبوا دے۔'' یہ کہتا ہوا خان ان کے پاس سے گزر کر ڈی آئی جی کے نزدیک پہنچ گیا۔

''تمام انتظامات مکمل ہیں نا؟ ڈپٹی کمشنر بھی آنے والے ہیں۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔

''میرے خیال میں تو اب کوئی کسر نہیں رہ گئی ہے۔'' خان نے بتایا۔پھر بینک منیجر کی طرف مخاطب ہو گیا۔''کیش رزرو روم کے دروازے اور روشندان الیکٹرافائڈ کرا دیے گا ہیں نا؟'' خان نے پوچھا۔

''جی ہاں۔اس کا انتظام آج سویرے ہی کر لیا گیا تھا۔'' منیجر نے بتایا۔

خان نے گھڑی دیکھی، اب ۱۲ بج کر ۲۵ منٹ ہو چکے تھے۔جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، پولیس والوں کی مستعدی بحال ہوتی جا رہی تھی۔

ٹھیک ایک بجنے میں پانچ منٹ پر سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ہر اس آدمی کی نظر اپنی کلائی کی گھڑی پر لگ گئی، جو گھڑی رکھتا تھا۔گھڑیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ ان کے دل دھڑکنے لگے۔پوری پولیس فورس کو چیلنج دے کر آنے والا نومین یقیناً کوئی معمولی شخصیت نہ رکھتا

Akram Allahabadi

ہو گا۔ ہر ایک اپنی جگہ یہی سوچ رہا تھا اور سپر نٹنڈنٹ بھائی جی اب بھی بے فکری سے بیٹھے چیونگ گم چبا رہے تھے۔ انھیں اب تک نومین کی شخصیت پر کسی اہمیت کا شبہ نہ تھا۔ دور گول بازار کے کلاک ٹاور کے ایک کا گھنٹہ بجاتے ہی ان کی نظریں چاروں طرف شکاری گھات میں لگی ہوئی بلیوں کی طرح گھومنے لگیں۔

اچانک بینک کی عمارت کی پشت سے فائرنگ کی ایک آواز آئی اور لگاتار گولیاں چلنے لگیں۔ گولیوں کی آواز سنتے ہی بھائی جی چونک پڑے۔

"ارے تو سالا آ ہی گیا۔" وہ بگڑ کھڑے ہوئے۔ "میں دیکھتا ہوں اسے۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے پیچھے کی طرف دوڑے۔

"وہ ہماری توجہ اس طرف ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔" خان یہ کہہ کر اپنی جگہ پرسکون کھڑا رہا۔ اس وقت وہ کیش رزرو روم کی دیوار سے ملے ہوئے اس ستون کی آڑ میں کھڑا تھا، جسے محض زیبائش کیلیے بنایا گیا تھا۔ ڈی آئی جی اس سے کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ اتنے میں سارجنٹ اسرار احمد دوڑا ہوا آ پہنچا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"گولیاں پیچھے میدان میں کھڑی ہوئی ایک کار کی آڑ سے چل رہی ہیں اور اس کے پیچھے کوئی دوسری کار کھڑی ہے۔" اسرار نے بتایا۔ "اس کی پہلی گولی سے ہمارا ایک کانسٹیبل مارا جا چکا ہے۔"

ٹھیک اسی وقت ڈپٹی کمشنر پنت آ پہنچے۔ ان کے آتے ہی ایڑیاں بجنے لگیں۔ ڈی آئی جی آڑ سے نکل کر سامنے آ گئے۔ ڈپٹی کمشنر کے چہرے پر کیونکہ دوپہر کی گرمی بار بار پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ اور وہ بار بار ایک ہلکے سرخ رومال سے اسے صاف کرتے جا رہے تھے۔ وہ گھبرائے ہوئے سے تھے۔ آتے ہی بولے۔

"مسٹر خان، آپ کے بھروسے پر انتظامات کیے گئے ہیں اور آپ یہاں کھڑے ہیں، وہاں پولیس والے ان بدمعاشوں کی گولیوں سے بھن رہے ہیں۔"

Akram Allahabadi

"لیکن۔" ڈی آئی جی نے کہنا چاہا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں، آپ فوراً ادھر کی خبر لیجیے، یہاں ہم لوگ موجود ہیں۔" مسٹر پنت نے ڈی آئی جی کی بات کاٹ کر خان کو حکم دیا۔

"بہت خوب۔" خان یہ کہہ کر تعمیلِ حکم میں اپنی پستول پر ہاتھ ڈالتا ہوا ستون کی آڑ سے نکل کر کاریڈور سے گزرتے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔

"اف، کس بلا کی گرمی ہے۔" ڈپٹی کمشنر پنت نے ڈی آئی جی سے کہا۔

"جی ہاں، وقت بھی تو عین دوپہر کا ہے۔" ڈی آئی جی نے ہاں میں ہاں ملائی۔

کمشنر نے رومال جیب میں رکھ لیا تھا، وہ جیب کو ٹٹولتے ہوئے دوبارہ اسے نکالنے لگے اور رومال جب باہر نکلا تو اس میں کچھ سفید سی چیز لگی تھی۔

"ہونہہ... یہ حماقت دیکھیے۔ بچے کیلیے بورک ایسڈ پاؤڈر لایا تھا، وہ جیب ہی میں کھل کر رہ گیا۔" اور یہ کہتے ہوئے انھوں نے اسے جھٹکنا شروع کیا۔ رومال سے سفید پاؤڈر اڑنے لگا اور اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ڈی آئی جی اور غنیجر دونوں تیورا کر فرش پر گر پڑے۔

☆☆☆☆☆☆

رفتہ رفتہ ماحول پرسکون ہوگیا۔ میدان میں کھڑی ہوئی وہ کار جس کی آڑ سے پولیس پر فائرنگ ہورہی تھی، پولیس کی مشین گن کی گولیوں سے چھلنی ہوگئی تھی، لیکن اس سے قبل کہ پولیس آگے بڑھے، اس کار کے پیچھے کھڑی ہوئی دوسری کار اسٹارٹ ہوکر برق رفتاری سے روانہ ہوگئی۔ پولیس بھی حیران سی کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس میدان کی پار والی سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے مال بردار ٹرک سے اس پر دو گولیاں چلیں، لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ کار فراٹے بھرتی نکل گئی۔ البتہ وہ ٹرک بھی اپنی جگہ سے متحرک ہوکر اس کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

سپرنٹنڈنٹ خان نے دیکھا جب وہ واپس آیا کہ غنیجر اور ڈی آئی جی کیش رزروروم

Akram Allahabadi

کے باہر ستون کے پاس بیہوش پڑے ہیں۔کیش رزروروم کا فولادی دروازہ کھلا ہوا تھا اور ڈپٹی کمشنر پنت کا پتا نہ تھا۔ڈی آئی جی اور منیجر کو ہوش میں لایا جانے لگا۔سپرنٹنڈنٹ بھائی جی کیونکہ ضدی ہونے کے ساتھ ساتھ جوشیلے آدمی بھی تھے،اس لیے وہ فائرنگ کے وقت مجرموں کو للکارتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے،جس کی وجہ سے بندوق کی ایک گولی ان کے داہنے بازو پر پڑی تھی۔خیر ہوئی کہ ہڈی بچ گئی،لیکن زخم آگیا تھا جس سے خون رس رہا تھا۔فرسٹ ایڈ بکس سے ان کی فوراً ڈریسنگ کر دی گئی۔

"ہونہہ، میں ایسے معمولی زخموں کی پرواہ نہیں کرتا۔" وہ بڑبڑائے۔"لیکن مجھے پولیس کے ان پانچ جوانوں کے مرنے کا افسوس ہے جو ان کمینوں کی گولیوں کا شکار ہوئے ہیں، میں ان سوروں کے بھیجے توڑ ڈالوں گا۔" وہ جوش میں آکر بگڑنے لگے،لیکن خان نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔

اچانک پھر ایڑیاں بجنے لگیں۔سیڑھیوں کے نزدیک ایک سیاہ رنگ کی لمبی پولیس کار آکر رکی تھی اور اس میں سے ڈپٹی کمشنر پنت اور آئی جی پولیس اتر رہے تھے۔خان انھیں دیکھ کر چونک پڑا۔پولیس والے بھی مسٹر پنت کی دوبارہ آمد پر حیران تھے۔کار بھی دوسری تھی۔

"ارے،یہ سب کیا معاملہ ہے؟" آئی جی نے دیکھتے ہی پوچھا۔

"تو کیا آپ کو کچھ خبر نہیں؟" سپرنٹنڈنٹ بھائی جی نے حیرت سے پوچھا۔

"شاید ہمیں پہنچنے میں دیر ہو گئی ہے۔" ڈپٹی کمشنر پنت بولے۔

"دیر؟" ڈی آئی جی نے حیران ہو کر دہرایا۔

"جی ہاں۔" خان جو اب تک گہری خاموشی سے سب کچھ سوچ رہا تھا،بول اٹھا۔ "وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا کام کر گیا۔اس کا چیلنج کامیاب رہا اور ہم شکست کھا گئے۔"

"شکست؟" ڈپٹی کمشنر نے چونک کر بولے۔

Akram Allahabadi

"آپ کی آمد سے کچھ دیر قبل وہ آپ ہی کے لباس میں اور بعینہ آپ کے میک اپ میں یہاں موجود تھا اور ہمیں آتے ہی اپنے احکامات سے گھبرا دیا تھا۔ اس لیے عجلت میں ہم اس پر غور بھی نہ کر سکے اور وہ ڈی آئی جی صاحب اور منیجر کو بیہوش کر کے اپنا کام کر گیا۔" خان نے مسٹر پنت کو بتایا۔ "اس نے پولیس کی توجہ دوسری طرف تقسیم کر دی تھی۔

"بڑا خطرناک آدمی ہے یہ نومین۔" ڈپٹی کمشنر پنت نے حیرت سے آئی جی کی طرف دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"واقعی، ورنہ مسٹر خان اور ڈی آئی جی جیسی شخصیتوں کو دھوکہ دے کر جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔" آئی جی نے مسٹر پنت کو جواب دیا۔

اور واقعی وہ پراسرار نومین پولیس کو ڈنکے کی چوٹ شکست دے گیا تھا۔ ایس پی بھائی جی بھی اس چوہے کا لوہا مان گئے تھے اور اب سب کے منہ لٹکے ہوئے تھے۔

"آپ یقین رکھیے، میں ایک مہینے کے اندر اندر اس نومین کو لیس مین بنا کر آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔" خان نے سنجیدگی کے ساتھ پنت کو یقین دلایا۔

"لیکن ابھی تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ ہے کون؟"

"بالے اس کا تعاقب کر رہا ہے، آپ کو جلد ہی اس کی رپورٹ مل جائے گی۔"

"بالے؟" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"جی ہاں، اسی وجہ سے میں خود یہیں رہ گیا۔"

"اوہ، تب تو کچھ بات ہوئی، مگر وہ اکیلا؟" آئی جی نے کہا۔

"کافی ہے۔ اس کے پاس وائرلیس کمیونیکیٹر بھی ہے۔" خان نے بتایا۔

اور اس طرح گھپ اندھیرے میں جیسے چراغ کی روشنی کسی قدر زندگی پھیلا دے ان کے لٹکے ہوئے چہروں پر امید کی ایک لہر دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دیدہ دلیری

مجرم کی گولیوں کا شکار ہونے والے کانسٹیبلوں کی لاشیں خاموشی سے اس مقام سے ہٹا کر پولیس ہیڈکوارٹرز کو روانہ کر دی گئیں۔ آج کی ناکامی نے سپرنٹنڈنٹ خان کو کافی متاثر کیا تھا، پھر بھی اس کی خوداعتمادی اپنی جگہ مستحکم تھی۔ اس شاندار شکست پر یقیناً حاسدوں نے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہوتی، مگر چونکہ اس میں بڑے بڑے پولیس افسران بھی شریک تھے، اس لیے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ منہ کھول سکے۔ بہرحال اس واقعے نے پوری پولیس فورس کو چونکا دیا تھا۔ اور دبی زبان سے اس چیلنج دے کر لوٹنے والے ملزم کی دلیری اور پراسراریت کے چرچے ہر جگہ ہونے لگے تھے۔ اور کچھ بھی ہو، بعض لوگ تو اس کی خوش عہدی کے بھی قائل ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے چیلنج کے مطابق کیس رزرو سے صرف ۱/۴ حصہ لیا تھا اور حیرت کی بات تھی کہ یہ چوتھائی حصہ شمار میں بھی کسی طرح کم و بیش نہ تھا، جس سے اس کے خبر رساں ذرائع اور اس کے پراسرار وسائل کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ غالباً اپنا ہر کام بہت منظم طریقے پر کرتا تھا۔ کیونکہ ہر واردات کے بعد پولیس کو اس کے متعلق ذرا سے بھی سراغ کے امکانات نہ مل پاتے۔ یہ پہلی کوشش تھی جس میں خان کی ہدایت کے مطابق بالے نے عقلمندی کا مظاہرہ کر کے خود کو سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے اندھے فقیر کے روپ میں عام نظروں سے محفوظ کر رکھا تھا۔ اور وقت آنے پر اپنا چیتھڑوں والا چغہ پھینک کر وہ اس کے تعاقب میں دوڑ پڑا تھا۔ بہت دیر تک پولیس ہیڈکوارٹرز میں آئی جی کے بند کمرے میں پولیس افسروں کی کانفرنس ہو رہی تھی اور بظاہر کوئی ٹھوس عملی تجویز طے پا کر میٹنگ صرف اس فیصلے کے ساتھ برخواست کر دی گئی تھی کہ ہر علاقے میں پولیس کے انتظامات اور سخت کر دیے جائیں۔ اور ہر مشتبہ شخص اور اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جائے۔

Akram Allahabadi

ایک گھنٹے تک پولیس ہیڈ کوارٹرز میں بالے کا انتظار کرنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ خان اسرار احمد کو یہ ہدایت کر کے کہ بالے کے آتے ہی اسے بنگلے پر بھیج دیا جائے، کار میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مگر بالے شام ۴ بجے تک واپس نہ لوٹا۔ خان اس دوران میں اپنے بنگلے سے تین چار بار پولیس ہیڈ کوارٹر زفون کر چکا تھا۔ بالے کو اتنی دیر ہو جانے کی وجہ سے خان کی ذہن میں دوسرے اندیشے رینگنے لگے۔ کہیں اسے کچھ ہو نہ گیا ہو۔ یہ خیال آتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ریوالور پتلون کی داہنی جیب میں بنے ہوئے کیس میں رکھ کر اپنی کار میں پھر یونین بینک کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں اس کی کار بینک کے پیچھے والے میدان کے اس پار کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ اپنے خیالی اندازے پر چل رہا تھا۔ نصف میل آگے جا کر یہ سڑک مغرب کی طرف گھومتی ہوئی ڈیڑھ میل کے فاصلے پر آگرہ روڈ سے مل گئی تھی۔ یہاں چار مختلف سمتوں کو چار راستے جاتے تھے۔ دو سڑکیں تو آگرہ روڈ کی شمال اور جنوب کی سمت میں تھیں اور دو دوسری پختہ سڑکیں شمال مغرب اور جنوب مغرب کی طرف پھوٹتی تھیں۔ اپنے اندازے سے اس نے جنوب مغرب کی سڑک پر کار کو موڑ دیا۔ گاڑی ٹاپ گیئر میں ہوا کے دوش پر کشتی کی طرح بہہ رہی تھی۔ بار بار اس کی نظریں دائیں بائیں سمتوں کا جائزہ لیتی جاتیں۔ ایک بار اس نے محض ایک امکانی آزمائش کیلیے کار کے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے کمیونیکیشن کا سوئچ آن کر دیا اور ماؤتھ پیس ہاتھ میں لے کر بولنے لگا۔

"ہیلو، اے ون، ہیلو چیف اسپیکنگ۔ اے ون ہیلو، چیف اسپیکنگ۔"

لیکن الفاظ کو بار بار دہرانے کے بعد بھی اسے جواب نہ ملا۔ سڑک سیدھی سپاٹ دور سامنے دھندلی دھندلی نظر آنے والی پہاڑیوں کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ پانچ منٹ بعد اس نے پھر اسی کوشش کو دہرایا۔ اچانک وہ چونک پڑا۔ ڈیش بورڈ سے آواز آ رہی تھی۔

Akram Allahabadi

''ہیلو چیف کیسے ہیں مزاج شریف ۔ہیلو، میں تمہارا وغیرہ وغیرہ بول رہا ہوں، شاید تم اب بھی نہ سمجھے ہو گے۔ابھی طفل مکتب ہو، تم جیسے کتنے سراغرساں میں نے برسوں اپنے اصطبل میں باندھ کر گھاس کھلائی ہے ۔خیر سنو، تمہارا وہ ڈیوٹ قسم کا اسسٹنٹ جس کیلئے تم گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہو، ناڈلہ ہل روڈ کے کنارے ایک برگد کے بوڑھے درخت سے بندھا اپنی قسمت کو کوس رہا ہے ۔اور اس احمق کا کمیونیکیٹر میں تم سے گفتگو کرنے میں استعمال کر رہا ہوں ۔تم با آسانی اسے لے جا سکتے ہو۔میں چاہتا تو صرف ایک جھٹکے میں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا، لیکن مجھے اس قسم کے بزدلانہ حرکتیں پسند نہیں ۔ میں دوٹوک وار کرتا ہوں ۔اگر مجھے تم جیسے مہذب دشمنوں کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی ضرورت ہوئی تو یقیناً میرا ایک اشارہ تمہیں ہست سے نیست میں بدل دے گا۔دعا کرو کہ تم پر وہ وقت نہ آئے...'' وہ مسلسل بولتا رہا۔

''بس بک چکے، برخوردار۔'' خان نے ہنستے ہوئے ماؤتھ پیس پر کہا۔

''اوہ ہو تمہیں میری صاف اور سیدھی باتوں پر بکواس کا شبہ ہے ۔شاید تم اپنی ضدی طبیعت سے مجبور ہو۔خیر میں تمہیں ایک چھوٹا سا سبق دے دیتا ہوں ۔ذرا اپنے ڈیش بورڈ کی سامنے والی دراز تو کھولو۔'' ادھر سے آواز آئی۔

''ہونہہ۔'' خان نے یہ کہہ کر اسے محض ایک مذاق سمجھتے ہوئے ڈیش بورڈ میں اسٹیرنگ راڈ سے ملی ہوئی نیچے کی دراز کو جھٹکے سے باہر کھینچ لیا۔ایک بھپکا سا اڑا اور اس میں سفید سفید دھواں نکلنے لگا۔خان نے گھبرا کر جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالنا چاہا، لیکن وہ اس جیب میں نہ تھا۔دوسرے ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے اس نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا، لیکن تب تک اس کے سامنے کی ہر چیز گردش کرتی نظر آنے لگی۔اس نے ایسے وقت یہ عقلمندی کی کہ پھرتی سے گاڑی کا گیئر نیوٹرل کر کے ایک ہاتھ سے سوئچ آف کر دیا اور ساتھ ہی فٹ بریک دبا دیے۔اتنے میں وہ بیہوش ہو کر اسٹیرنگ پر جھک گیا۔گاڑی سڑک کے کنارے ایک

جنگلی جھاڑی سے الجھ کر رہ گئی، کیونکہ بریک آدھا لگ چکا تھا۔ اگر بیہوش ہوتے ہوئے بھی اس نے اس قدر ریدار مغزی سے کام نہ لیا ہوتا تو اس وقت اس کی گاڑی یقیناً کسی بڑے حادثے کا شکار ہو جاتی اور خدا جانے اس کا کیا حشر ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

اسے جب ہوش آیا تو مغرب کا دھندلکا چھا رہا تھا اور ایک نیم شہری اور نیم دیہاتی قسم کا آدمی اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

"کچھ کیا پی رکھی تھی آپ نے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ خان ایک کھسیانی مسکراہٹ مسکرا دیا۔ یہ خیال آتے ہی کہ کس بری طرح اسے اس پراسرار شخص نے ایک اور زک دے دی۔ اس کی رگوں میں خون کھولنے لگا۔ اجنبی اس کے چہرے کی کیفیتوں کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ آپ کو اس حال میں دیکھ کر ٹھہر گیا۔ چوٹ تو نہیں آپ کو؟" اس نے اس کے بازو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" یہ کہہ کر خان دروازہ کھولتے ہوئے کار سے اتر گیا۔ اس نے سامنے کے حصے کو دیکھتے ہوئے اطمینان کی سانس لی، کوئی قابلِ غور نقصان نہیں ہوا تھا، صرف ذرا سا بمپر پچک گیا تھا۔

"میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟" اجنبی نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"شکریہ، لیکن کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے۔" یہ کہہ کر پھر وہ گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اور اسے اسٹارٹ کر کے بیک کرتے ہوئے سڑک پر لایا۔ اس نے گاڑی کا رخ پھر آگرہ روڈ کی طرف کر دیا۔ اجنبی سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔

"کیا آپ شہر جا رہے ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

Akram Allahabadi

"جی ہاں، کیوں؟"

"مجھے بھی جانا تھا، اس راستے پر تین تین چار چار گھنٹوں کے بعد بسیں ملتی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"تو آیے، بیٹھ جایے۔ میں آپ کو شہر میں چھوڑ دوں گا۔" خان نے اخلاقاً پیشکش کی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اجنبی یہ کہتے ہوئے اس کی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ خان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس کا ذہن اس وقت پوری طرح ان پراسرار حالات کی طرف منعطف تھا اور آج وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ کسی سوا سیر سے پالا پڑا ہے۔ اس نے اجنبی کی طرف بھی کوئی اظہار التفات نہیں کیا اور اجنبی بھی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ لیکن جب چپ نہ رہا گیا تو بول ہی پڑا۔

"شاید آپ تھکے ہوئے ہوں گے، اس لیے گاڑی روک کر سو گئے؟" اس نے بیوقوفوں کی طرح سوال کیا۔

"نہیں بھائی، مجھے چکر آ گیا تھا۔" خان نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"اوہ، نصیب دشمناں طبیعت کچھ خراب ہے؟" اس نے اور زیادہ مہذب بنتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں، الحمدللہ میرے مزاج درست ہیں۔" خان کی جھنجلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں؟"

"دراصل مجھے کچھ بدہضمی ہو گئی ہے۔"

"اف، تب تو یقیناً مصیبت ہو گی۔ آپ کو جگہ جگہ رک کر حاجت رفع کرنی پڑے گی۔"

"قبلہ، مجھے کوئی حاجت نہیں جو آپ رفع کر سکیں۔ کیا آپ خاموش رہنا پسند کریں

گے۔'' خان مجبوراً کسی قدر کھرے پن پر اتر آیا۔

''شاید آپ کو میری گفتگو ناگوار گزر رہی ہے؟''

''مجھے اس وقت سکون کی ضرورت ہے۔''

''ضرور ضرور، اب میں خاموش رہوں گا۔'' یہ کہہ کر اجنبی نے خاموشی اختیار کرلی۔

گاڑی اب آگرہ روڈ پر نکلنے والی دوسری شمال مغرب کی شاخ پر جا رہی تھی۔ اس سڑک کا نام ہانڈا پل روڈ تھا۔ خان بغور سڑک کی دونوں سمت نظریں دوڑاتا چل رہا تھا۔ اندھیرا چھاتا جا رہا تھا کہ اچانک اسے ایک طرف سے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑا۔ کوئی چیخ رہا تھا۔

''اے بھائی موٹر والے صاحب، اے بھائی ذرا ادھر آنا۔''

خان نے کار روک لی اور سڑک پر اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی آواز پھر آئی۔

''ادھر ڈھلوان کے نیچے، برگد کے درخت کے پاس۔'' اور برگد کے درخت کا نام سنتے ہی خان کو اس پراسرار آدمی کے الفاظ یاد آ گئے۔ اس نے ڈیش بورڈ کے دوسرے خانے سے احتیاطاً ٹارچ نکالی اور پتلون کی جیب والے پستول کے خفیہ کیس پر ہاتھ رکھ کر ڈھلوان سے اترنے لگا۔ وہ اجنبی بھی حیران حیران اس کے ساتھ ادھر ادھر گھورتا چل رہا تھا۔ ڈھلوان اتر کر وہ کروندوں کی جنگلی جھاڑیوں کی آڑ میں بوڑھے برگد کے درخت کے نزدیک پہنچ گئے۔ برگد کے درخت سے بندھا ہوا خان کو ایک انجانا سا آدمی نظر آیا۔ اسے یہ دیکھ کر پھر حیرت ہوئی اور کچھ خطرے کا احساس بھی، لیکن وہ آدمی بول پڑا۔

''ارے آپ؟ تو وہ سچ کہتا تھا۔'' درخت سے بندھے آدمی نے چونک کر کہا۔

''بالے؟'' خان چونکا۔ ''مگر یہ تمہاری صورت کیوں مسخ ہو گئی؟''

''اس بدمعاش نے مجھے اس درخت سے باندھ کر میری مونچھیں اور بھنویں مونڈ

Akram Allahabadi

ڈالیں ہیں۔میرا ٹرک اس کا ساتھی ڈرائیو کر کے لے گیا اور وہ مجھے کوئی چار گھنٹے کی بیہوشی کی دوا سونگھا کر گئے تھے۔'' خان کے کھولنے پر بالے نے رسیوں کی گرفت سے آزاد ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ کس وقت کی بات ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''دوپہر کی۔میں اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک ان کی گاڑی سڑک پر دوڑتے ہوئے ڈھلوان پر اتر گئی، میں سمجھا پھسل گئی۔میں نے بھی اپنا ٹرک روک لیا اور جب ٹرک کو روک کر صورتِ حال دیکھنے کیلیے ڈھلوان کی طرف گیا تو کسی نے پشت سے میرے دونوں بازو تھام لیے۔مجھے ذرا سی دیر میں رسیوں میں کس دیا گیا اور برگد کے درخت سے باندھ کر وہ لوگ یہ کہہ کر چلے گئے کہ، اب تمہارا عقلمند چیف ہی آ کر تمہیں چھڑائے گا۔وہ ضرور تمہیں تلاش کرتا ہوا آئے گا'۔یہ کہتے ہوئے انھوں نے مجھے ایک رومال سونگھا کر بیہوش کر دیا تھا۔اور ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ہوش آیا ہے۔'' بالے اس کے ساتھ ڈھلوان چڑھ کر سڑک پر کھڑی کار تک آ گیا تھا۔

''لیکن تم تو فائرنگ کرنے والوں کی گاڑی کے تعاقب میں بھاگے تھے؟'' خان نے اس سے سوال کیا۔

''جی نہیں، وہ محض مغالطہ تھا۔میں نے بینک کی طرف سے آنے والی ایک مشکوک گاڑی کا تعاقب کیا تھا اور میرا اندازہ صحیح نکلا۔''

''مگر تم نے وائرلیس پر مجھے خبر تو دے دی ہوتی۔'' خان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ تینوں اندر بیٹھ چکے تھے۔

''اس کا موقع ہی نہ ملا، کیونکہ تعاقب جاری رکھنے کیلیے مجھے گاڑی اتنی تیز رفتار سے چلانی پڑ رہی تھی کہ اچھل اچھل پڑتی تھی۔''

''خیر، ہمیں اپنی اس افسوسناک بیچارگی پر شرم ضرور آنی چاہیے۔'' خان کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''کیا آپ کے ساتھ بھی کچھ ہوا؟'' بالے نے سوال کیا۔

''یہ گھر چل کر بتاؤں گا۔''

Akram Allahabadi

"آپ لوگ یہ کس کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟" اجنبی نے پچھلی سیٹ سے دخل در معقولات کرتے ہوئے پوچھا۔ بالے نے اب تک اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا تھا، لیکن اس کے اس جملے پر اسے یاد آ گیا کہ یہ تیسرا آدمی اس کا جانا پہچانا تو نہیں ہے۔

"آپ کی تعریف؟" اس نے خان کے کچھ بولنے سے قبل ہی سوال کر ڈالا۔

"جی میں رگڑا گاؤں کا رہنے والا ہوں، شہر جا رہا تھا۔ راستے میں صاحب مل گئے اور مہربانی کر کے مجھے بٹھا لیا۔ میرا نام طوطا رام ہے۔" اجنبی نے خود اپنا تعارف کرا دیا۔

"رگڑا گاؤں، طوطا رام؟" بالے نے حیرت و دلچسپی سے دہرایا۔

"جی ہاں، میرے باپ کا نام گھاسی رام تھا۔ بڑے اچھے آدمی تھے۔" وہ احمقانہ سادگی سے بولا۔

"مینا رام زیادہ موزوں ہوتا، خیر۔" بالے اپنے مسخرے پن سے باز نہ رہ سکا۔ "مگر یہ رگڑا گاؤں کیا بلا ہے؟"

"یہاں سے بہت زیادہ دور نہیں، بس پندرہ بیس میل پر ہے۔ یہ اپنے نانڈلہ کے پیچھے۔ بس یہ اس پار ہے اور وہ اس پار۔" اجنبی نے اس طرح سادگی سے ہاتھ ہلا ہلا کر بتایا کہ اس کے بھولے پن پر بالے کو ہنسی آ گئی۔

"خیر خیر، ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ خان کی طرف پھر متوجہ ہو گیا۔

آگرہ روڈ پر ان کی کار شہر کی طرف آ کر گھوم چکی تھی اور نصف گھنٹے کے اندر اندر وہ شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

"صاحب، مجھے بازار میں اتار دیجیے تو بڑی کرپا ہو گی۔" طوطا رام نے ممنون لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا۔" خان نے یہ کہتے ہوئے گاڑی بالا جی پارک پر روک دی۔ طوطا رام دونوں ہاتھ جوڑ کر انھیں کئی بار نمستے نمستے کرتا ہوا گاڑی سے اتر گیا۔ اور وہ ہیڈ کوارٹرز کی طرف

Akram Allahabadi

روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

اپنے آفس میں داخل ہوتے ہوئے جیسے ہی سپر نٹنڈنٹ خان نے کار کی چابیوں کے ساتھ جیب میں ہاتھ ڈالا، وہ کچھ چونک سا پڑا۔

"کیا کچھ گر گیا ہے؟" بالے نے پوچھا، لیکن جواب دینے کے بجائے خان نے آہستہ سے جب ہاتھ باہر نکالا، تو اس کے ہاتھ میں ایک مرا ہوا چوہا تھا، جس کی دم میں ایک چٹھی بندھی ہوئی تھی۔ بالے کی ایک دم ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ ایک ہاتھ سے منہ اور دوسرے سے اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا، لیکن خان قطعی سنجیدہ تھا۔ اس نے چوہے کی دم سے چٹھی علیحدہ کر کے اسے کمرے کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور چٹھی کر پڑھنے لگا۔ اس پر صرف دو جملے لکھے تھے۔

ڈیئر جاسوس،

تمہاری حیثیت میرے نزدیک اس چوہے سے زیادہ نہیں ہے۔ بہر حال اپنی کار پر شہر تک پہنچانے کا شکریہ۔ فقط... نومین۔

خط پڑھ کر خان نے غصے سے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اف۔"

"بھئی واللہ، اتنے دلچسپ سنسنی خیز اور پراسرار مجرم سے آج تک پالا نہیں پڑا تھا۔" بالے نے بھی چٹھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کمبخت ہماری ہی کار میں سوار ہو کر شہر تک آیا۔ ذرا دیدہ دلیری تو ملاحظہ فرمایئے، اس حرامزادے کی۔" بالے نے تبصرہ کیا۔

"چپ رہو، بے شرم۔" خان نے ڈانٹ دیا۔

"اجی واہ، کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ میں تو بہر صورت آپ کا چڑی کا غلام ہوں، لیکن آج تو حضور کو بھی دانتوں پسینے آ گئے ہیں۔" بالے نے اسے چھیڑنا شروع کیا۔

Akram Allahabadi

"بالے، اگر اس وقت زیادہ بکو گے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" خان چیخ اٹھا۔

"اچھا زیادہ نہیں تھوڑا ایک لینے دیجیے، آخر میری بھی تو حجامت کی گئی ہے۔" بالے نے بے غیرتی سے جواب دیا۔

"نکل جاؤ یہاں سے۔"

"ارے ارے، آپ تو ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔ آپ ہی تو کہا کرتے تھے کہ ہر حال میں ہنستے رہنا چاہیے۔" بالے نے معصومیت کا اظہار کیا۔

"بے موقع بے ہودگیوں کی اجازت نہیں دی تھی تمہیں۔"

"میں نے بیہودگیوں کا جغرافیہ نہیں پڑھا ہے کہ موقع محل کی تلاش کروں۔" بالے نے برجستہ جواب دیا۔ وہ بھی چار گھنٹے برگد کے درخت کے ساتھ رسیوں سے بندھے رہنے کی کسر اسی وقت نکال لینا چاہتا تھا، لیکن اسی وقت اردلی آ پہنچا۔

"ڈی آئی جی صاحب سلام بولتے ہیں۔" اس نے ادب سے کہا۔

خان خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بالے دوسری کرسی پر بیٹھا ہوا میز پر پڑا ہوا پیپر ویٹ نچاتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

گمنام ممبر

آج اتوار کا دن تھا اور پوئی لیک کلب اور پوئی لیک ہوٹل میں خلاف معمول کافی چہل پہل تھی۔ اس تفریح گاہ پر خصوصاً اتوار کو اور کسی بھی خاص تہوار یا تعطیل کے موقع پر شہر کے تفریح پسند خوش فکروں کا خاصا اجتماع ہوا کرتا تھا، جس میں عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان سب ہی ہوتے۔ بہت سے لوگ اپنے خاندان سمیت اتوار کو یہاں پکنک منایا کرتے۔ اور تھا بھی وہ بہت پر فضا اور راحت بخش مقام۔ اس کا راستہ ساکی نالہ سے آنے والی ایک بغیر سیمنٹ کی پختہ سڑک کے کنارے مدت سے اجڑے ہوئے ایک باغ سے ہو کر گزرتا تھا، جہاں دوسرے جنگلی درختوں کے درمیان تاڑ کے سربفلک درخت اپنے پر پھیلائے کھڑے تھے۔ کلب کی عمارت جھیل کے کنارے بڑی موزونیت سے بنائی گئی تھی اور پھر اس کا انتظام بھی اچھے منتظمین کے ہاتھوں میں تھا۔ شہر کے بہت سے خوش فکرے اس کے ممبر تھے اور ان کی ہفتہ وار نشستیں یہاں ہوتی تھیں۔ ہوٹل اس سے کچھ دور پر واقع تھا، جو زیادہ بڑا تو نہ تھا، لیکن صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ اتوار کو یہاں بھی بھیڑ رہتی تھی۔

دوپہر ہوتے ہوئے ۳۹ء کے ماڈل کی ایک پرانی کھٹارہ گاڑی آ کر پارکنگ گراؤنڈ پر رکی اور اس میں سے ایک ادھیڑ عمر کا پارسی، ایک نوجوان عورت اور ایک دوسرا سفید فام نوجوان آدمی اترا جو شکل سے کوئی یوروپی یا غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔ کار دوسری کاروں کے ساتھ قطار میں کھڑی کر کے وہ روش کو طے کرتے ہوئے پہلے ہوٹل میں گھسے۔

"مس ہیری، آپ کچھ کھائینگا، پیئنگا؟" کاؤنٹر کے قریب سے گزرتے ہوئے ادھیڑ عمر کے پارسی نے ساتھ والی جوان عورت سے پوچھا۔ وہ ایک قبول صورت، متناسب بدن کی پرکشش عورت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اگرچہ زرد رنگ کی پھولدار ساڑھی باندھ رکھی تھی،

Akram Allahabadi

لیکن حلیے سے وہ کوئی کرسچین خاتون معلوم ہورہی تھی۔

"ادھر شمپین ملے گا؟" جواب میں مس بیری نے پوچھا۔

"اوگاڈ، ایسا والا بات نہیں کرو، ادھر اپنا بمبئی میں پروہیبیشن ہے دار وکا۔" پارسی نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر گویا اس چیز کا نام نہ دہرانے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا تم ادھر مسکھری کرنے کو آئیلہ ہے؟" مس بیری نے خاص بمبئی والی ہندوستانی بولتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم ادھر نہیں ٹھہریگا۔" وہ قدرے ناخوشگوار موڈ میں بولی۔ وہ اب ایک میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔

"ویل مسٹر رستم جی۔" سفید فام آدمی نے پارسی رستم جی کو نام اپنے لہجے میں بگاڑ کر کہا۔ "تمہارا کنٹری بہت ڈرائی کنٹری ہے۔ ادھر کیا سب سینٹ لوگ رہتا ہے؟" وہ بولا۔

"معلوم پڑتا سادھولوگوں کا راج ہے ادھر۔"

"اچھا ذرا دم لو، ہم منیجر کو پوچھنے کو کرتا ہے۔" یہ کہہ کر رستم جی نے اشارے سے کاؤنٹر کے منیجر کو بلایا۔ وہ اس وقت ذرا فرصت سے تھا، فوراً چلا آیا۔ رستم جی نے اس سے اپنا کان جھکانے کو کہا، وہ جھک گیا۔

"ادھر کچھ دار و وار و ملینگا؟ یہ اپنا فرینڈ سالا ما نتا نہیں۔ آپ کا بڑا مہربانی ہوگا، صاحب جی۔" رستم جی نے اس کے کان میں کہا۔ جس کے جواب میں سر ہلاتے ہوئے کچھ سوچ کر منیجر بولا۔

"آپ ادھر کلب میں جاؤ، ادھر مل جائے گا۔"

"سارو چھے، سارو چھے۔" رستم جی نے خوش ہو کر کہا۔ "آپ کا بڑا بڑا تھینک یو۔ اب آپ میرے کو تین باٹل کوکا کولا بھیج دو۔" رستم جی نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے معمولی سا آرڈر دیا۔ منیجر چلا گیا اور ایک منٹ ہی بعد میز پر کوکا کولا کی تین بوتلیں مع اسٹراز کے رکھی تھیں۔

وہ دیر تک خاموشی سے چسکیاں لے لے کر اسے پیتے رہے اور ان کی نگاہیں اجنبیوں کی طرح

Akram Allahabadi

ہوٹل کے اس مختصر ماحول پر گردش کرتی رہیں۔

ٹھیک ۱/۲ ۱ بجے وہ وہاں سے اٹھے۔ منیجر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کاؤنٹر پر ہی بل چکایا اور باہر نکل آئے۔ پھر بہت دیر تک وہ باہر تفریح کرتے رہے۔ انھوں نے پوئی لیک کا پورا علاقہ ناپ ڈالا، یہاں تک کہ تھک کر درخت کے سائے میں بچھی ہوئی ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

"صاحب جی، میں ذرا لیٹرین ہو کر آنے کا ہے۔" رستم جی نے ان دونوں سے رفع حاجت کیلیے رخصت چاہی۔

"ضرور، شوق فرمایے۔" سفید ساتھی مسکرا کر بول اٹھا۔

"ابے الو۔" رستم جی نے اسے گھورا۔

"اوہ، آئی ایم ساری۔ ویل تم جرور جانے سکتا۔" اس نے اپنا لہجہ بدل دیا اور ساتھ والی کرسچین لڑکی کیلیے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

رستم جی کے جانے کے بعد اس کا سفید فام دوست ساتھی لڑکی کے قریب کھسک آیا۔

"ڈارلنگ۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"شٹ اپ۔" لڑکی بگڑ کر بولی۔

"ارے ارے، ہم تو آرٹیفیشیل ڈارلنگ بولتا ہے، مائی ڈارلنگ۔" وہ اسے کچھ سنسنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ورنہ ادھر گھومنے والا لوگ ہمیں الو کے موافق ایسے بیٹھا دیکھ کر کیا سمجھینگا۔"

"تمہارا سر۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"قربان جاؤں اس مسکراہٹ کے۔ پوئی لیک کے نگر مچھ تک رو پڑے ہوں گے۔" سفید فام ساتھی نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھہرو، کام ختم ہو جائے پھر بتاؤں گی تمہیں۔" وہ دبے لہجے میں اسے گھور کر بولی۔

Akram Allahabadi

"ابھی کیا بتانے کا ہے تم کو، تم سارا بات تو بول دیا ام کو کہ ام تم سے لو کرتا ہے۔ ام تمہارا بغیر چاکلیٹ کھا کے مر جائے گا۔"

"اب چپ بھی رہو گے تم۔" لڑکی اس کے پیر پر اپنا پیر زور سے مارتے ہوئے بولی۔

"جب تم اتنے قریب ہوتی ہو تو چپ رہا نہیں جاتا، اور کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا۔"

سفید فام ساتھی شاعری کرنے لگا۔

"تم بڑے الو ہو۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں، ہزار بات سن چکا ہوں۔"

"مجھے بے محل باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

"اچھا تو میں محل بنوا کر اس میں بات کروں گا تم سے۔"

"اف... فوہ..." لڑکی دانت پیسنے لگی۔

"اس سے کوئی فائدہ؟ لوگ یہی سمجھیں گے کہ کسی بات پر مسٹر اور مسز آپس میں لڑ پڑے ہیں۔" سفید فام آدمی نے ڈھٹائی سے اپنی بکواس جاری رکھی۔

"نہیں مانو گے تم؟"

"اچھا مان گیا۔ باقی باتیں آئندہ۔" وہ چہرے پر شریر مسکراہٹ بکھیر کر کسی قدر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ دراصل اس نے رستم جی کو واپس آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

مس بیری، تم کتنا بیوٹیفل، آئی ایم ساری۔ یہ کتنا بیوٹی فل جگہ ہے۔ میرا دل مانگتا ہے کہ اپنا گریو یارڈ (قبرستان) ادھر کو ہی بنے۔" اس نے رستم جی کو سنانے کیلئے مکالمے تراشنے شروع کر دیے۔

"بڑا نیک خیال ہے آپ کا۔ آپ مر کر دیکھیے، ہم آپ کی قبر بنا کر یہیں ٹیکے پر یہ شعر لکھ دیں گے، ایک احمق تھا کہ جس کی قبر پوئی لیک پر ہے۔" رستم جی نے دبی زبان سے ڈانٹا۔

"ول مسٹر رستم جی، تم ہم کو ایسا موٹا موٹا ڈانٹی کائے کو دیتا ہے۔" سفید فام شخص اٹھتے

ہوئے کسی قدر اینٹھ کر بولا۔

"سور، گھر چل کر بتاؤں گا تمہیں۔" رستم جی نے پھر دبے لہجے میں اسے دھمکی دی۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟" بے غیرتوں کی طرح اس نے پوچھا۔اس کے جواب میں رستم جی کا گھونسا تنتے دیکھ کر وہ سیدھا آگے ہولیا۔

کلب کے نیم دائرے کی شکل کے خوشنما مگر سادہ ہال میں داخل ہو کر وہ ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔شاید رستم جی پہلے ہی اسفندیار (سکریٹری) سے گفتگو کر کے گیا تھا،اس لیے اس داخلے پر انھیں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ویٹر خیریت پوچھنے کیلیے سر پر آموجود ہوا۔

"صرف دو پیگ شمپئن۔" رستم جی نے آہستہ سے کہا۔

"روسٹم جی، تم کیا یار عورت لوگ کا نشہ کرتا ہے، بلیک میجک منگانے کا تھا، بلیک میجک۔" سفید فام ساتھی نے اینٹھی آواز میں کہا۔

"بیٹے، یہی کیا کم ہے کہ شراب بندی کے دور میں تم کو کچھ چکھنے کو مل رہی ہے۔" رستم جی آہستہ سے بولا۔

"لیکن کیا یہ ہم پر حلال ہے؟"

"مصلحتاً، ورنہ ان لوگوں میں گھلنا ملنا مشکل ہے۔" رستم جی نے ادھر ادھر دیکھ کر محتاط لہجے میں کہا۔

"خیر چلے گی۔" یہ کہہ کر گورے رنگ کا ساتھی خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ویٹر علیحدہ علیحدہ دو پیگ شمپئن اور ایک گلاس ڈیوک آرنج لے آیا۔وہ تینوں اپنے اپنے گلاس چسکیاں لے لے کر خالی کرنے لگے۔لیکن رستم جی کی نظریں بار بار ہال میں ایک ایک کا جائزہ لے رہی تھیں۔دن ڈھلتا جا رہا تھا۔اچانک وہ ہال کے باہر برآمدے میں کسی کو کھڑا دیکھ کر چونک پڑا۔اسے پہلی بار اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

"مسز سلیم؟" وہ بڑبڑایا۔

Akram Allahabadi

وہ برآمدے میں ایک بھاری بھرکم خوبصورت سے خوش پوش آدمی کے ساتھ کھڑی مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔اس آدمی نے سیاحوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔سرج کی گرم پتلون کے اوپر وہ ایک سویٹ لیدر اور کپڑے کے ٹکڑوں سے جوڑ کر بنائی گئی ایک خوبصورت بش شرٹ پہنے ہوئے تھا۔اس کے سر پر سرمئی رنگ کی فیلٹ ہیٹ تھی اور اپنے موزوں خدو خال اور جسامت کے ساتھ کافی دلچسپ اور پر کشش کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔میز کے نیچے رستم جی نے اپنے ساتھی کے پیر کو اپنے پنجے سے دبا کر چونکا دیا۔

"میجر سلیم کی خوبصورت بیوہ۔" وہ اس سے بولا۔اس کا ساتھی پلٹ کر ترچھی نظروں سے برآمدے کی طرف دیکھنے لگا۔

"جواب نہیں خوبصورتی کا۔" وہ بولا۔"کم از کم اس ساتھ والی سے تو خوبصورت ہے ہی۔"اس نے مس بیری کر چھیڑنے کیلیے آہستہ سے کہا۔

"تم نظر رکھو، میں آتا ہوں ابھی۔" یہ کہتے ہوئے اسے زور کی کھانسی آ گئی۔ڈھیر سا بلغم حلق میں لیے وہ اٹھ بیٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا برآمدے کو عبور کر کے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد ہی کلب میں خاصی زندگی پیدا ہو گئی۔شاید کچھ پی لینے کے بعد کوئی غیر معروف قسم کی فلم ڈانسر جو غالباً کلب کی ممبر تھی ایک زندہ دل وائلنسٹ کی دھن پر رقص کرنے لگی۔تمام لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے اور بہت سے تو اس کے رقص کی تھاپ پر تالیاں بجانے لگے۔یہ دیکھ کر مسز میجر سلیم اپنے خوشرو ساتھی کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہال میں آ گئی اور ان لوگوں کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کا رقص دیکھنے لگے۔

"اپنا جیبی کیمرہ تیار رکھو۔"اچانک بھیڑ سے باہر نکل کر رستم جی نے اپنے ساتھی سے کہا اور پھر ان آدمیوں میں خلط ملط ہو گیا۔اس کا ساتھی اور مس بیری بھی چند سیکنڈ بعد آپس میں کچھ باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور دوسرے لوگوں میں مل کر رقص دیکھنے لگے۔سفید فام آدمی کی نگاہیں بھیڑ کو چیرتی ہوئی رستم جی پر مرکوز تھیں جو آہستہ آہستہ بھیڑ میں اس طرح

Akram Allahabadi

پھسل رہا تھا کہ بے خیالی میں لوگ ادھر ادھر منتشر ہوتے ہوئے پیچھے کھڑے ہوئے مسز میجر سلیم کے ساتھی اور مسز سلیم کیلیے جگہ چھوڑ رہے تھے اور وہ بھی عالمِ بے خیالی میں کسی قدر آگے بڑھ آئے تھے۔

مسز میجر سلیم کے ساتھی نے اپنے ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے۔ مسز سلیم نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے پلٹ کر دیکھا اور پھر رقص دیکھنے لگی۔

اچانک کسی کیمرے کی فلیش لائٹ چمکی اور اس کے ساتھ ہی کوئی بولا۔

"ون مور پوز، مس ایلا۔" ایلا اس ڈانسر کا نام تھا۔ وہ اس آواز پر تھم کر مسکراتے ہوئے اس سفید فام آدمی کی طرف دیکھنے لگی، جو دوسری طرف سب سے آگے کھڑا دوسرے پوز کیلیے زاویہ لے رہا تھا۔ ایلا نے ایک محبوبانہ انداز سے لہراتے ہوئے خود کو دوسرے پوز کیلیے تیار کرلیا۔ مجمع میں اس کے پیچھے کھڑے ہوئے کچھ شوقین لوگ بھی اپنی ٹائیاں اور بال درست کرنے لگے تاکہ مس ایلا کے پیچھے ان کے چوکھٹے بھی کیمرے کے فریم میں آجائیں تو شکلیں بگڑ نہ جائیں۔

اچانک مسز میجر سلیم کے ساتھی کو کسی کا دھکا سا لگا۔ وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"ماف کرو صاحب جی۔" پارسی رستم جی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا کہ جیسے بے خیالی میں دھکا لگ گیا ہو، لیکن اتنی دیر میں کیمرے کی فلیش لائٹ دوبارہ چمکی، اور مس ایلا کا دوسرا پوز بھی لے لیا گیا۔

اس کے بعد ہی رقص ختم ہوگیا اور لوگ اپنی اپنی نشستوں پر واپس چلے گئے۔ مسز سلیم اور اس کا خوبرو ساتھی بھی ایک میز پر بیٹھ چکے تھے۔ وہ دیر تک ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ اس درمیان میں انھوں نے دوبار کافی کی پیالیاں خالی کیں۔ پارسی رستم جی اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ البتہ اس کا سفید فام ساتھی اور مس بیری دونوں میز پر بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے

Akram Allahabadi

تھے۔مسز سلیم کی میز ان کے نزدیک ہی تھی ۔سفید فام آدمی گفتگو تو مس بیری سے کر رہا تھا اور اس کے کان اس میز کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"ڈارلنگ ،اپنے پہلے بچے کا نام کیا رکھیں گے ہم؟" اس نے مس بیری سے کہا۔

"یو فول ۔" مس بیری بگڑ گئیں، لیکن سفید فام آدمی نے آہستہ سے اس کا پیر دبا دیا۔ جس پر اس نے تلملا کر خاموش ہوتے ہوئے شرمیلے انداز میں ایکٹنگ کرنی پڑی، لیکن اس کی نظریں اسے انتقام کی دھمکی دے رہی تھیں۔ اتنے میں اس کی میز سے ایک باریک سا نقرئی قہقہہ گونجا، جس پر وہ دونوں چونک پڑے۔مسز سلیم کے ساتھی نے کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس پر مسز میجر سلیم بے اختیار ہنس پڑی تھی اور وہ صرف مسکرا رہا تھا۔

"واقعی آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔" اب وہ کہہ رہی تھی۔

"کیا واقعی؟" اس آدمی نے اپنی پراسرار اور رومانی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"سچ ۔" وہ بولی۔ اور پھر وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اٹھ کھڑے ہوئے۔ برآمدے میں اب ہلکی تاریکی پھیل چکی تھی اور تمام لوگ کیونکہ اندر ہال میں سمٹ گئے تھے، اس لیے اس طرف سناٹا تھا۔برآمدے میں آکر اس نے مسز سلیم کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔مسز سلیم بھی اس وقت جذبات میں بے طرح کھوئی معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے کوئی تعرض نہ کیا اور پھر آہستہ آہستہ ان کے چہرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے لب آپس میں پیوست ہو گئے۔ان کی یہ کیفیت صرف ایک منٹ تک رہی۔ کسی کے قدموں کی آہٹ نے انھیں چونکا دیا۔اور پھر وہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ٹہلتے ہوئے برآمدے کے باہر نکل آئے۔ پارک کا حلقہ اور بیرونی روش پر چلتے ہوئے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گاڑیاں قطاروں میں کھڑی تھیں۔ اس آدمی نے ایک شاندار کیڈلک کا دروازہ کھول دیا۔مسز سلیم آگے والی سیٹ پر بیٹھ گئی اور پاس والی ڈرائیونگ سیٹ پر خود بیٹھ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

نو مین

"کیا آپ میرے چند سوالات کا جواب دینا پسند کریں گی؟" سپرنٹنڈنٹ خان نے مسز میجر سلیم سے نرم لہجے میں سوا کیا۔ وہ اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹرز کے انوسٹی گیشن روم میں اس سے ساتھ تنہا تھی۔ کمرہ بند تھا۔ اور مسز میجر سلیم کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ وقتی طور پر کافی خوفزدہ اور معصوم نظر آ رہی تھی۔

"جی ہاں، پوچھیے۔" اس نے کہا۔

"اتوار کے دن لیک پوئی پر آپ جس آدمی کے ساتھ تفریح کر رہی تھیں، وہ کون تھا؟" خان نے پوچھا۔

"میرے خیال میں پولیس کو ذاتی معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔" مسز میجر سلیم نے ہمت کر کے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے کہ آپ کو قانون سے اس قدر واقفیت حاصل ہے۔ لیکن میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دینا پڑے گا۔" خان کے لہجے میں کسی قدر تختی آ گئی۔ جس پر مسز میجر سلیم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا سر جھکا لیا۔

"وہ ایک سینما کا مالک ہے..." مسز سلیم نے بولنا شروع کیا۔

"اور اس کا نام فہم حیدر، یہی نا؟" خان نے بات پوری کر دی۔ "وہ ریکس سینما کا مالک ہے۔"

"جی ہاں تو آپ کو معلوم ہے؟" مسز سلیم نے چونک کر کہا۔

"بہت بھولی بن رہی ہیں آپ۔" خان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مگر میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے صرف یہی نام معلوم ہے۔"

Akram Allahabadi

"خیر، آپ کے ساتھ اس کے کیا تعلقات ہیں؟"

"آپ ایک شریف عورت کو یہاں بلا کر بے عزت کر رہے ہیں۔"

"آپ کی شرافت کا جنازہ تو میجر مرحوم کے قتل کے وقت ہی نکل چکا تھا، اور کچھ کہیے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"بہت آسان ہے۔ کیا آپ نہیں جانتیں کہ میجر کے پراسرار قتل کا پراسرار قاتل، ایجنٹ شانتی لال اور آپ کا فہیم حیدر ایک ہی شخصیت کے تین روپ ہیں؟"

"بخدا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ آپ کو یقین نہ ہو تو آپ مرکنٹائل بینک والوں سے پوچھ لیجیے۔" مسز سلیم کا لہجہ کچھ اس قسم کا تھا جس سے صداقت جھلک رہی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ خان کو یاد آ گیا کہ سفید فام شخص کے بھیس میں بالے نے لیک پوائی کلب میں بظاہر ڈانسر کا پوز لیتے ہوئے مسز سلیم اور اس کے ساتھی کو جو دو تصویریں لی تھیں، ان میں فہیم حیدر ار شانتی لال کے ہم شبیہ ہونے کی تصدیق صرف شانتی لال کے پارسی پڑوسی سے کرائی گئی ہے، حالانکہ مرکنٹائل بینک کے منیجر سے بھی اس کی تصدیق کرانی ضروری تھی۔

"خیر، پہلے تو یہ بتایئے کہ اس فہیم حیدر سے آپ کے کب مراسم ہوئے؟"

"میں اور میجر مرحوم اکثر لیک پوائی تفریح کیلیے جایا کرتے تھے۔ وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ میں اسے تب ہی سے جانتی ہوں۔"

"اس کے علاوہ کہیں ملاقات نہیں ہوئی آپ کی؟"

"میجر کی موت سے پہلے تو ایسا نہیں ہوا تھا، البتہ ان کی موت کے تیسرے دن وہ اظہارِ تعزیت کیلیے آیا تھا۔" مسز سلیم نے بتایا۔

"اور اس نے آپ سے لیک پوائی پر ملنے کا وعدہ لیا تھا؟"

"جی ہاں۔ اس نے مشورہ دیا تھا کہ میں اپنا دل بہلانے کیلیے زیادہ تر وقت ایسی ہی

جگہ پر گزروں۔"

"کیا اس نے آپ سے شادی کیلئے پیشکش نہیں کی؟"

"اوخدا، آپ تو میرے ذاتی معاملات میں حائل ہو رہے ہیں۔" وہ احتجاج کرتے ہوئے بولی۔

"اگر میں یہ کہوں کہ وہ شخص نہ فہیم حیدر ہے نہ ریکس سینما کا مالک، اور نہ وہ کیڈلک کار اس کے باپ کی ملکیت تھی، تب؟"

آپ مجھے بہکا رہے ہیں۔" وہ تقریباً چیخ اٹھی۔

"بہر حال، سر دست آپ میرے الفاظ کی حقیقت جاننے تک پولیس کی نگرانی میں رہیں گی۔" خان نے جواب دیا۔

"اگر یہ سچ ثابت ہوا تو میں تمام عمر آپ کی حراست میں رہنے کو تیار ہوں۔ میں ہر سزا بھگتنے پر تیار ہوں۔ قانون معاف بھی کر دے، لیکن میرا ضمیر مجھے اس کیلئے کبھی معاف نہ کرے گا کہ میں نے ایک برے آدمی کو پسند کر لیا۔" وہ سنجیدہ اور بھاری لہجے میں کہنے لگی۔ خان نے بجائے جواب دینے کے، اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ شاید وہ ان میں صداقت کے تاثرات تلاش کر رہا تھا۔

"آپ کے ان الفاظ پر یقین کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم، لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اپنے اوپر کسی بھی بد معاش یا برے آدمی کا سایہ پڑنا بھی پسند نہیں کر سکتی۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس کی شخصیت اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر میں جذبات میں بہہ گئی تھی، لیکن اگر وہ غلط آدمی نکلا تو میں اس کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کروں گی۔" مسز سلیم نے اسے پھر یقین دلانے کی کوشش کی۔

"خدا کرے کہ آپ وہی کچھ ہوں، جو آپ کہہ رہی ہیں تو مجھے خوشی ہوگی، لیکن اگر آپ واقعی میرے الفاظ کی صداقت کا جاننا چاہتی ہیں تو اس کیلئے آپ کو قانون کی مدد کرنی

پڑے گی۔"

"اگر قانون حق بجانب ہے تو مجھے کوئی انکار نہ ہو گا۔"

"اگر میرا شبہ غلط نکلا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف یہ کہ میں اس کا احترام کروں گا، بلکہ میں آپ دونوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہونے دوں گا۔" خان نے وعدہ کیا۔

"تو فرمائیے، میں آپ کیلئے کیا کرسکتی ہوں؟" مسز سلیم نے کہا۔

"بہت معمولی سی بات ہے۔ محض پراسرار شخصیت سے اور قریب ہو کر اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتی ہو۔ شہر میں حیرت انگیز وارداتوں کا ایک سلسلہ لگا ہے اور ان کی پشت پر ایک بہت چالاک شخصیت کام کر رہی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ یہی ہو۔ کیونکہ اس نے پہلے ہی اپنے بارے میں ہر ایک کو اندھیرے میں رکھا ہے۔ کلب والے اس کی شخصیت سے مہینوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی اب تک اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ کلب کا سکریٹری سمجھتا ہے کہ وہ شیئر مارکیٹ کا ایک بڑا بیوپاری ہے۔ آپ کو اس نے بتایا کہ وہ ریکس سینما اس کی ملکیت ہے۔ اگر کسی صوت وہ نومین نہیں بھی ہے تو اس کی شخصیت بھی کم پراسرار اور خطرناک نہیں ہے۔" خان نے اسے سمجھایا۔

"نومین؟" یہ نام سن کر مسز سلیم اچھل پڑی۔ "جس نے یونی بینک پر دن دھاڑے ڈاکہ ڈالا تھا؟" اُسنے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں، لیکن یہ بھی محض آپ تک ہی محدود رہنا چاہیے۔"

"اف۔" وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔ "اگر ایسا ہے تو میں آپ کی مدد ضرور کروں گی۔" اس نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں آپ پر اعتبار کرتے ہوئے آپ کو آپ کے گھر واپس بھیج دیتا ہوں۔ میں وہاں کسی اور شکل میں آپ سے ملاقات کر کے آپ کو بتاؤں گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور کچھ دیر بعد ایک پرائیوٹ سیاہ گاڑی میں مسز سلیم

Akram Allahabadi

پولیس ہیڈ کوارٹرز سے اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئی۔ گاڑی کو اس وقت سارجنٹ جامی ڈرائیور کے بھیس میں چلا رہا تھا۔ لیکن پولیس ہیڈ کوارٹرز سے روانہ ہوتے ہی دور سڑک پر کھڑی ہوئی دوسری کار بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔ گول بازار کے چوراہے پر گھوم کر یہ گاڑی سوئی سی ایک تنگ سڑک پر رک گئی، جہاں کچھ فاصلے پر ایک دوسری سبز رنگ کی کار کھڑی تھی۔ اس کا ڈرائیور شاید اس گاڑی کی آمد کا منتظر تھا۔ اس نے اسے دیکھتے ہی اپنی گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"آپ فوراً اس کار میں جا بیٹھیے۔" پہلی کار کے ڈرائیور نے کہا۔

مسز میجر سلیم نے کچھ کہنا چاہا، لیکن ڈرائیور نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور کہا۔

"اس وقت کچھ پوچھیے نہیں، کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔"

مسز سلیم گھبرائے ہوئے انداز میں اس کار سے اتر کر دوسری سبز کار میں بیٹھ گئی اور کار فوراً اسٹارٹ ہوگئی اور واپس بڑی سڑک پر نکل آئی۔ اس کار کی پچھلی کھڑکیوں کے شیشے وژن پروف تھے، جس سے اندر بیٹھنے والے کو باہر کا سب کچھ نظر آتا تھا، لیکن باہر والے اندر کی کوئی چیز نہ دیکھ سکتے تھے۔ مسز میجر سلیم پولیس ہیڈ کوارٹرز سے روانہ ہونے کے تقریباً نصف گھنٹے بعد بخیریت اپنے بنگلے پر پہنچ گئی۔ یہاں کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ اچانک کہاں چلی گئی ہے اور کب واپس آئے گی۔ ویسے بھی گھر کی مالک ہونے کی حیثیت سے اس کا میجر مرحوم کی زندگی میں بھی نوکروں پر اتنا رعب و داب تھا کہ وہ اس کے خلاف مرضی اس سے کچھ جاننے کی جرات بھی نہ کرتے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا دماغ بری طرح منتشر تھا۔ آج کے واقعات نے اس کے چہرے کی شگفتگی چھین لی تھی۔

وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں اس کا اپنا فیصلہ اسے زندگی بھی بخش سکتا تھا اور موت بھی۔ اگر وہ واقعی نومین ہے تو پولیس کی لاکھ حفاظت کے باوجود اسے غداری کی سزا موت تک دے سکتا ہے۔ اگر نہیں ہے تب بھی کم خطرناک شخص نہ ہوگا۔ دوسری طرف اگر وہ

Akram Allahabadi

وعدے کے مطابق پولیس مدد کرنے سے بھی احتراز کرتے تو اس طرح ممکن ہے پولیس اسے بھی نومین کا آلۂ کار نہ سمجھ بیٹھے۔ وہ اپنی ذرا سی جذباتی لغزش سے ایک عجیب سے مخمصے میں پھنس گئی۔ اور یہ تھی بھی حقیقت کہ فہیم حیدر یا اس نام سے اس سے ملنے والا وہ وجیہ آدمی اتنا ہی پرکشش تھا کہ اس کے قریب ہو کر کسی بھی جذباتی عورت کیلیے اس سے متاثر ہو جانا ممکن تھا۔

وہ ڈرائنگ روم سے ہوتی ہوئی بغیر کپڑے تبدیل کیے اپنے کمرے میں گھس گئی، لیکن اس کے منہ سے دبی سی چیخ نکل گئی، جب اس نے دیکھا کہ ڈریسنگ ٹیبل سے کچھ دور پڑی ہوئی آرام کرسی جھول رہی ہے اور کوئی اس پر دیوار کی طرف رخ کیے بیٹھا ہے۔ وہ سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے چھت کی طرف چھوڑ رہا تھا۔

"ڈریے نہیں، یہ تو میں ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فہیم حیدر کو اس طرح اپنے کمرے میں موجود پا کر وہ سٹ پٹا گئی۔ اگر اس نے اس کے بارے میں سپرنٹنڈنٹ خان سے اتنی پراسرار باتیں نہ کی ہوتیں تو شاید اسے یہاں دیکھ کر خوفزدہ یا متعجب نہ ہوتی، لیکن اس وقت اس کا چہرہ اور زرد پڑ گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ اس وقت کہاں سے آ رہی ہیں۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"اور اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ پولیس سے جب خود کچھ نہیں بن پڑتا تو وہ اسی طرح دوسرے کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلاتی ہے۔ آپ وہاں یقیناً کوئی جھوٹا وعدہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہوں گی۔" وہ یہ کہتے ہوئے ٹہلتے ٹہلتے کھڑکی تک چلا گیا اور باہر حدِ نظر تک پھیلے ہوئے نیلے آسمان کے خلاؤں میں گھورنے لگا۔ مسز سلیم نے اب تک اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔

"میں نے سچا وعدہ کیا ہے۔" وہ بولی۔ "اگر آپ اچھے آدمی ثابت نہ ہوئے تو میں آپ کی صورت دیکھنا گوارا نہ کروں گی۔" ہمت کر کے بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"اچھا آدمی؟ ہونہہ۔ اول تو اس دنیا میں کوئی اچھا آدمی ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو صرف میں۔ کیونکہ میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو مجھے نہ کرنا چاہیے۔" وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے

Akram Allahabadi

کہتا رہا۔

”آپ مجھ سے جھوٹ کیوں بولے تھے کہ آپ فہیم حیدر ہیں اور ریکس سینما کے مالک ہیں؟“

”عورتوں سے جھوٹ بولنا کوئی بری بات نہیں، کیونکہ وہ خود جھوٹی ہوتی ہیں۔ البتہ میں مردوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ مثلاً یہ کہ اگر میں اس سراغرساں کی دم سے کہہ دوں کہ میں تمہیں ختم کردوں گا، تو میں اسے یقیناً ختم کردوں گا۔ میں اپنے قول کا پابند ہوں۔ یا مثلاً میں نے آپ کو اپنے دل و دماغ سے قریب کرلیا ہے، اس لیے اب آپ مجھ سے دور نہیں رہ سکتیں۔“ وہ کہتا رہا۔

”لیکن میں ہر ایسے آدمی سے نفرت کرتی ہوں جو بے رحم، چور یا ڈاکو یا بداخلاق ہو۔“ مسز سلیم نے جواب دیا۔

”میں بے رحم نہیں۔ مجھے تو بڑے بڑے خزانے والے دولتمندوں پر اس قدر رحم آتا ہے کہ میں انھیں کاروبار میں نفع و نقصان کی فکر میں دبلا ہونے سے ہمیشہ کیلیے نجات دلا دیتا ہوں۔ چوری میں کبھی نہیں کرتا، میں تو غریبوں کی تقدیر سے چرا کر تجوریوں میں بھری ہوئی دولت کو ان بڑے بڑے چوروں سے چھین لیتا ہوں اور اس سے خود بھی عیش کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی عیش کراتا ہوں۔ زندگی کا عیش و آرام صرف چند آدمیوں کے باپ کا اجارہ نہیں۔“ یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ کسی قدر رخت ہوگیا۔ ”رہا اخلاق، تو میں اپنے آپ کو دنیا کا بہترین مہذب آدمی سمجھتا ہوں۔ میرے دشمن بھی کم از کم میرے اخلاق کی تعریف ضرور کریں گے، میرا مطلب پولیس والوں سے ہے۔ میں انھیں کبھی گالیاں نہیں دیتا، بڑے بڑے مہذب الفاظ میں للکارتا ہوں۔“ اس نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”آپ کے الفاظ مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا فیصلہ کروں کیا نہ کروں۔“ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

Akram Allahabadi

''عذرا۔'' وہ اس کے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''تم وہ پہلی عورت ہو جو میری زندگی میں محبت بن کر داخل ہوئی ہے۔ میں غضبناک ہو کر طوفان اٹھا سکتا ہوں، لیکن تمہارے سامنے ہار گیا ہوں۔ مجھے جیتنے کی کوشش اتنی عورتیں اور لڑکیاں کر چکی ہیں کہ مجھے ان کے نام تک یاد نہیں رہے، لیکن میں نے انھیں خوبصورت کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ تم وہ پہلی ہستی ہو جس کیلیے میں اس قدر بدل گیا ہوں۔ یا شاید تمہاری محبت نے بدل دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہاری غداری کی نیت کے باوجود تمھیں کوئی سزا نہ دے سکا۔''

وہ یہ کہتے ہوئے مسز سلیم (عذرا) کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ان میں بے بسی جھلک رہی تھی۔ ایک ایسا تذبذب جو محبت اور نفرت کے بین بین ہو۔ وہ گم سم تھی۔ فہیم حیدر نے اسے دونوں بازوؤں سے اٹھا کر اپنی باہوں میں بھر لیا، لیکن عذرا کے چہرے پر مسکراہٹ یا خوشی کی ایک لہر نہ آئی۔ فہیم حیدر نے اپنے جلتے ہوئے ہونٹ اس کے رخساروں پر رگڑتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر پیوست کر دیے، لیکن وہ اب بھی کچھ سوچ رہی تھی۔ شاید عورت کی سب سے بڑی کمزوری۔

''مسٹر نومین، یہ کسی امریکی فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی ہے۔'' اچانک پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم چونک پڑے۔ فہیم حیدر نے پلٹ کر دیکھا، سپرنٹنڈنٹ خان اور سبز کار والے ڈرائیور کے بھیس میں سارجنٹ جامی دونوں بھرے ہوئے پستول ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے۔

''اوہ، تو شاید یہ بھی ایک ڈرامہ تھا جو مجھ سے آگے کھیل ڈالا گیا۔'' نومین معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ہاتھ اوپر اٹھا دو۔'' خان نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا، تم یا یہ چھوٹا چوہا؟'' نومین نے اسرار احمد کی طرف اشارہ کیا۔ اور خود کو چھوٹے چوہے کے نام سے مخاطب کیے جانے پر اس کا منہ بن گیا۔

"آپ اجازت دیجیے تو میں ایک گھونسے میں اس حرامزادے کی بتیسی باہر نکال دوں۔" اسرار مشتعل ہو کر سپر نٹنڈنٹ خان سے بولا۔

"آں ہاں، پولیس افسر کو اتنا بدتہذیب نہ ہونا چاہیے۔ کیا بری گالی دی ہے تم نے۔" اس نے قطعی مطمئن انداز میں مسکراہٹ کے ساتھ اسرار احمد کی طرف دیکھا۔

"رہنے دو۔ بعض مجرم منہ زور بھی ہوا کرتے ہیں۔" خان نے اسرار احمد کے اشتعال کو روکا، ورنہ وہ اس پر جھپٹنے والا تھا اور شاید نومین بھی یہی چاہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے افسوس ہے، مائی ڈیئر جاسوس، کہ میں یہاں دو منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ میرے بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں اور میں ہر کام ٹائم ٹیبل کے مطابق کرتا ہوں۔"

"تو شاید تم یہاں سے بچ نکلنے کے خواب دیکھ رہے ہو، لیکن تم باہر جس احمق کو ٹہلتا چھوڑ آئے تھے۔ وہ پولیس کی حراست میں پہنچ چکا ہے، صرف تمہارا انتظار تھا۔" خان نے جیب سے ہتھکڑی نکال کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھتی ہو، عذرا، ان چوہوں کی جرات، بڑا چوہا گھنٹی باندھے گا۔ خیر آؤ۔" وہ انھیں بچوں کی طرح چمکارتے ہوئے بولا۔ عذرا گم سم ایک طرف کھڑی حیرت وخوف کی نظروں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ اچانک کمرے کے روشندان سے لگاتار دو فیر ہوئے اور خان اور اسرار احمد کے ہاتھوں سے پستول دور جا گرے، ان کی انگلیوں سے خون بہنے لگا۔

"بس؟" وہ بولا۔ "میرے آدمی اتنی لمبی تنخواہیں پاتے ہیں کہ وہ اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بھی ان کا بوجھ چکا نہیں سکتے۔" وہ آگے بڑھ کر ان دونوں کے پستول اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"اب تم اپنی جگہوں پر کھڑے رہو، حرکت کی تو دوسری گولیاں تمہارا قصہ تمام کر دیں گی۔" یہ کہہ کر وہ عذرا کی طرف بڑھا۔

"میرے ساتھ چلو گی؟" اس نے پوچھا، لیکن عذرا کی آواز دہشت سے حلق سے

Akram Allahabadi

نکل نہ سکی ۔ "خیر، مجھے بہر حال تمہاری ضرورت ہے ۔تمہارے بغیر میری راتیں بے کیف رہتی ہیں ۔" یہ کہہ کر اس نے عذرا کا ہاتھ تھام لیا۔عذرا نے ایک نظر بے بسی سے سپرنٹنڈنٹ خان کی طرف دیکھا، جو روشندان والے نشانے کی زد میں کھڑا تھا۔خان نے اسے آنکھ سے کچھ اشارہ کیا اور وہ جھکے ہوئے انداز میں نومین کے ساتھ لڑ کھڑاتے ہوئے چلنے لگی۔

"ان شاندار احمقوں کو ابھی زندہ رہنے دو۔" دروازے کے قریب پہنچ کر نومین نے روشندان کی طرف رخ کر کے حکم دیا اور پھر عذرا کو لے کر باہر نکل گیا۔اس کے ایک منٹ بعد ہی کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

اسرار احمد نے چاہا تھا کہ دروازے کی طرف قدم بڑھائے، کہ روشندان سے پھر ایک فیر ہوا اور اس کے قدم رک گئے ۔روشندان میں صرف ایک سایہ نظر آ رہا تھا جو پانچ منٹ تک وہیں موجود رہا اور اس کے بعد اچانک غائب ہو گیا۔اس کے غائب ہوتے ہی زخمی ہاتھوں پر رومال لپیٹتے ہوئے وہ دونوں باہر کی طرف بھاگے، مگر یہاں انھیں سارجنٹ جامی اور ایک ہیڈ کانسٹیبل، جنھیں وہ باہر چھوڑ گئے تھے، بنگلے کی دیوار گیری کے نزدیک رسیوں سے بندھے پڑے نظر آئے ۔ان کے منہ میں کپڑے ٹھونسے ہوئے تھے۔

خان نے جلدی سے جامی کے منہ سے کپڑا نکال لیا۔

"اس کی کار کا نمبر دیکھا ہے؟" خان نے پوچھا۔

"جی نہیں، وہ باہر کھڑی تھی۔" خان کچھ اور پوچھے بغیر بنگلے کی پشت کی طرف لپکا اور اسرار احمد دوسری طرف ۔بنگلے کی پشت والی تنگ سڑک پر انھیں اچانک ایک کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔خان نے اس وقت اپنی اندرونی خفیہ جیب سے پانچ راؤنڈ کا چھوٹا ریوالور نکال لیا تھا۔وہ پھرتی سے دوڑ کر چار دیواری کود گئے، لیکن وہ کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔وہ ٹیکسی تھی۔اس کے روانہ ہوتے ہی اتفاق سے اسی روڈ پر ایک کالی ٹیکسی آ گئی۔وہ دونوں اس پر سوار ہو گئے ۔پچھلی ٹیکسی اگلی ٹیکسی کا تعاقب کرنے لگی۔خان کی کار اور اسرار احمد کی لائی ہوئی سبز

Akram Allahabadi

کار بنگلے کے بڑے داخلی دروازے کے باہر کچھ فاصلے پر کھڑی رہ گئی تھیں۔

آگے والی ٹیکسی بہت تیز بھاگ رہی تھی۔ پچھلی ٹیکسی کا ڈرائیور اتنی برق رفتاری سے گاڑی لیجاتے ہچکچا رہا تھا۔ خان نے خود کو پولیس انسپکٹر بتاتے ہوئے اس کی نشست خود لے لی اور اسے اپنی جگہ بٹھا کر کار کو برق رفتاری سے بھگانا شروع کیا۔

تقریباً نصف گھنٹے کے تعاقب کے بعد وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔ اب اگلی ٹیکسی کا رخ جھاڑکھنڈ پائپ لائن کی طرف تھا۔ سڑک سونی پڑی تھی اور خان کی ٹیکسی بتدریج اگلی گاڑی کے قریب ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اگلی ٹیکسی میں شاید ایک ہی آدمی تھا، جس نے گاڑی چلاتے ہوئے دو تین بار پستول سے پیچھے کی سمت گولیاں بھی چلائیں، لیکن سب خطا گئیں۔ اب ان کے درمیان ۱۰۰ گز کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک آگے دوڑتی ہوئی کار بہکنے لگی اور پھر دھماکے کے ساتھ اس کے پرخچے اڑ گئے۔ خان نے فوراً گاڑی دھیمی کر دی۔

"سالے نے افشائے راز کے ڈر سے اپنے آدمی ہی کو ختم کر دیا۔" خان ٹیکسی قریب لے جا کر بڑبڑایا۔ تباہ ہونے والی ٹیکسی کی پٹرول کی ٹنکی پھٹنے سے اس میں آگ لگ چکی تھی۔ لیکن ٹیکسی چلانے والا اس سے کچھ دور آ گرا تھا۔

"پتا نہیں کمبخت بچا کہ ختم ہو گیا۔" یہ کہتے ہوئے خان نے آگے بڑھ کر اس کا ایک بازو پکڑ کر تیزی سے پیچھے کی طرف گھسیٹا۔ آگ کی زد سے دور آ کر اس نے اس کے جسم کو ٹٹولا، نبض دیکھی، وہ ختم ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ، سینہ اور ٹانگیں سب بری طرح زخمی تھیں۔ خان نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر اسے سنگھائی اور اس کے سر کو ذرا سی جنبش دی۔ اس نے آہستہ آہستہ پلکیں کھول دیں۔

"تمہیں تمہارے سردار نے ہی مارا ہے، کیا اب بھی چھپاؤ گے؟" اسرار احمد اس پر جھک کر بولا۔

"وہ... وہ... کون... جانے... مم... مگر... ڈاں... ڈا... ب... پ... چھ..." اس کی

آخری ہچکی پر اس کا دم نکل گیا۔

''ڈاں...ڈا...'' اسرار احمد نے ذہن پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔

''سوچنے کی ضرورت نہیں، آؤ واپس چلیں، ڈانڈا کھار کے پیچھے سمندر کے کنارے پر واقع ہے۔'' خان نے ٹیکسی کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ دھماکہ کیسے ہوا؟''

''وہ بہت خطرناک شخص ہے۔ ضرور اس آدمی کو اس نے ہدایت کی ہوگی کہ خطرے کے وقت گاڑی کا کوئی خاص سوئچ یا بٹن دبا دے، جس سے دوسری طرف فیر ہو جائے گا، لیکن اس میں کوئی بم رکھا ہوگا جو سوئچ دباتے ہی پھٹ گیا ہوگا'' خان نے بتایا۔ ''اس کا طریقہ کار منظم ہے۔ وہ کہیں سے نہیں چوکتا۔''

''مگر یہ تو ٹیکسی تھی؟''

''صرف دکھانے کیلیے، ورنہ مجھے یقین ہے کہ اس کا لائسنس بھی اسی مرنے والے کے نام ہوگا اور ملکیت بھی، تا کہ تحقیق پر کوئی سراغ نہ مل سکے۔'' خان نے رائے ظاہر کی۔

اور واقعی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں واپس آ کر جب تباہ شدہ ٹیکسی کے رجسٹریشن نمبر سے وہیکلز رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ سے تفصیل دریافت کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس شخص کا نام کمارایا تھا، وہ مدراسی تھا اور لائسنس اور گاڑی دونوں اسی کے نام پر تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

محاصرہ

ہاتھ آئی ہوئی آخری امید عذرا بھی نومین کے قبضے میں جا چکی تھی ۔ اب صرف ٹیکسی کے دھماکے میں ہلاک ہونے والے لمارا پا کا ایک لفظ ڈانڈا ہی اس اندھیرے میں ایک موہوم سی امید کی کرن تھی ۔ پریس، پبلک اور پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں نیچے سے اوپر تک ان پراسرار وارداتوں اور نومین کی تہلکہ خیز شخصیت نے ایک سنسنی پھیلا رکھی تھی ۔ گلی گلی، گھر گھر، ان وارداتوں کے چرچے تھے ۔ حکام بھی پریشان تھے ۔ اور ان دولتمندوں کی نیندیں بھی حرام تھیں، جنہیں دولت زندگی سے زیادہ عزیز تھی ۔

نومین آج بھی نومین تھا ۔ اس قدر اندھیر مچانے کے باوجود کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ وہ اس وقت ایک معمہ تھا ۔ عام لوگ ان سنسنی خیز حالات سے بہت متاثر تھے ۔ اس کے باوجود کہ وہ پچھلے دو دنوں سے پرسکون تھا ۔ سپرنٹنڈنٹ خان کو اس کے سراغ کے بغیر ہرگز رتا ہوا دن بے کیف معلوم ہو رہا تھا ۔ سی آئی ڈی کے آدمیوں نے کھارے لے کر ڈانڈا اور سمندری کنارے کا پورا علاقہ چھان مارا تھا، لیکن یا تو اندازہ غلط تھا یا لمارا پا کے آخری الفاظ ۔ اس طرف زیادہ تر فلمی شخصیت یا پھر اسی قسم کے مہذب شہری رہتے تھے، جن پر شبہ کرنا یقیناً ناممکن تھا ۔ وہ ایسے جانے بوجھے سادہ لوح چہرے تھے جن پر پراسراریت کی کبھی مہر نہ لگی تھی ۔

لیکن وہ عیار نومین میک اپ سے اپنے آپ کو تبدیل کر کے تو رہ سکتا ہے، یہی ایک خیال بار بار سپرنٹنڈنٹ خان کو اس علاقے پر کڑی نگہداشت رکھنے پر مجبور کرتا ۔ کیونکہ وہ یہ دیکھ چکا تھا کہ نومین کی اصل شکل آج تک نہیں جانی جا سکی، اور وہ میک اپ کا اتنا ماہر ہے کہ خود خان اس سے دھوکہ کھا چکا ہے ۔ مرکنٹائل بینک کے شانتی لال اور فہیم حیدر میں ہی زمین آسمان کا

فرق ایک عجیب مخمصے میں الجھا دیتا، خدا جانے اس کی اصل شکل کونسی تھی، مگر ڈانڈا کے علاقہ اور اطراف پر سپرنٹنڈنٹ خان اور اس کے مخصوص خفیہ آدمیوں کی اس کڑی نگرانی کے ساتھ ساتھ پولیس شہر کے ہر حصے میں مشتبہ کرداروں کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہی تھی، حالانکہ ان میں زیادہ تر معمولی قسم کے چور، اچکے، غنڈے، جواری اور ناجائز کاروبار والے آدمی تھے جو پراسرار نہ تھے، نہ جن کے حالات پولیس سے چھپے رہ سکتے تھے، البتہ وہ اپنی عیاریوں سے قانون کی گرفت سے ابھی تک بچ کر رہتے تھے اور پولیس بھی اس وقت دوسری طرف زیادہ مصروف رہ کر ان پر ہاتھ نہ ڈال رہی تھی۔ انھیں صرف خفیہ نگرانی میں رکھا جا رہا تھا۔

شعبہ سراغرسانی سے تعلق رکھنے والی تقریباً دس تجربہ کار اور تربیت یافتہ لیڈی انویسٹی گیٹرز مختلف علاقوں میں چھوڑی گئی تھیں۔ نومین کی شکل سے تو کوئی واقف نہ تھا، لیکن وہ طرح طرح کے بھیس بدل کر مکان مکان، گھر گھر مسز میجر سلیم (عذرا) کو تلاش کر رہی تھیں۔ اب وہی ایک کنجی تھی نومین کے اسرار کو توڑنے کیلئے۔

رات نصف سے زیادہ ڈھل چکی تھی۔ ڈانڈا کے پیچھے پتھریلی چٹانوں کے کنارے سے سمندر کی طوفانی موجیں کروٹیں بدل بدل کر ٹکرا رہی تھیں اور شڑاپ شڑاپ کا مستقل شور جاری تھا۔ کھاڑی میں چار مچھیرے جال ڈالے خاموشی سے بیٹھے گہرے نیلے آسمان میں ٹمٹماتے ہوئے تاروں کو دیکھ رہے تھے کہ ٹھیک تین بجے سمندر کے کنارے کی پتلی سڑک کسی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔ کار کے پیچھے بھی کچھ دور پر ایک روشنی دوڑتی نظر آ رہی تھی۔ یہ پولیس سپرنٹنڈنٹ جی ڈویژن کے دفتر سے کچھ آگے تھی۔ کار کی رفتار بتدریج دھیمی پڑ رہی تھی اور پچھلی روشنی اس کے قریب آتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ کار رک گئی اور اس کے ساتھ ہی وہ موٹر سائیکل بھی اس کے نزدیک آ کر رک گئی جس کی روشنی اب تک کار کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس پر کوئی گشتی ڈیوٹی کا سارجنٹ سوار تھا۔

"معاف کیجیے گا، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ کون ہیں؟" سارجنٹ نے پ

اخلاق لہجے میں سوال کیا۔

''جی تعجب ہے کہ آپ مجھ سے واقف نہیں، بہر حال میں ایک فلم پروڈیوسر ہوں اپنی فلم کی شوٹنگ سے واپس آ رہا ہوں۔'' اندر بیٹھے ہوئے آدمی نے جو کار ڈرائیو کر رہا تھا نرمی سے کہا۔

''لائسنس دیکھ سکتا ہوں آپ کا؟'' سارجنٹ نے پوچھا۔

''جی ہاں، شوق سے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''خدا کیلیے یہ نہ کیجیے۔'' اس کے نزدیک بیٹھی ہوئی عورت اچانک بول اٹھی۔ شاید وہ کسی ہونے والی بات کو برداشت نہ کر سکی تھی۔

''کیوں میرے لائسنس میں کیا کھوٹ ہے۔'' وہ اسی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اور پھر اس کا ہاتھ جیب سے باہر نکل آیا، لیکن وہ عورت یہ دیکھ کر چپ ہو گئی کہ اس کے ہاتھوں میں لائسنس بک تھی۔ سارجنٹ نے لائسنس دیکھا، پھر ٹارچ ڈال کر کار کے اندر دیکھا۔ اس کی نظریں اس عورت کے چہرے پر جم گئیں جو کسی فلمی ہیروئن کی طرح میک اپ میں تھی، لیکن کافی حسین معلوم ہو رہی تھی۔

''سگریٹ؟'' کار والے پروڈیوسر نے جیب سے سگریٹ نکال کر سارجنٹ کو پیش کیا۔

''جی بس، شکریہ۔'' سارجنٹ شاید کوئی بات مشتبہ نہ پا کر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

''دراصل اس قدر سخت پابندی کے باوجود اس طرف شراب نوشی اور شراب کی نقل و حرکت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے، اس لیے میں نے آپ کو تکلیف دی۔'' سارجنٹ نے بڑے شریفانہ انداز میں معذرت کی اور پھر موٹر سائیکل پلٹا کر روانہ ہو گیا۔ کار والا مسکرایا اور پھر اس کی کار آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

"کیسے لوگ معلوم ہوتے تھے؟" کھاڑی میں جال ڈالے ہوئے مچھیروں میں سے ایک نے پولیس سارجنٹ سے پوچھا، جو ابھی کچھ دیر پہلے راہ چلتی کار کو روک کر سوالات کر چکا تھا۔

"فلمی آدمی معلوم ہوتے تھے۔" سارجنٹ نے جواب دیا۔ وہ اس وقت اندھیرے میں ایک چٹان پر بیٹھے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ ویسے بھی ان کی آواز سمندر کی موجوں کے شور میں آگے نہ پھیل سکتی تھی۔

"تمہیں لائسنس دکھاتے وقت اس کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ پیدا ہوئی تھی؟"

"وہ مرد مسکرا رہا تھا، البتہ میک اپ کیے اس کے پاس بیٹھی ہوئی عورت نے ٹوکتے ہوئے اسے کہا تھا، 'خدا کیلیے یہ نہ کیجیے'۔" سارجنٹ نے بتایا، لیکن یہ الفاظ سنتے ہی وہ مچھیرا چونک پڑا اور اٹھ بیٹھا۔

"اس کا لہجہ کس قسم کا تھا؟"

"ملتجیانہ۔"

"تم نرے گدھے ہو۔" یہ کہہ کر مچھیرے نے اپنی جھولی کھول کر اس میں سے کچھ کپڑے نکالے اور وہ وہیں پہننے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک خوش پوش، چاق و چوبند آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس طرف تاریکی اس قدر تھی کہ دو قدم دور سڑک پر سے بھی وہ کسی کو نظر نہ آ سکتے تھے۔

"ارے مگر کیا آپ کو بھی فلمونیا ہو گیا؟" مچھیرے کے دوسرے ساتھی نے بھی اپنے تھیلے سے کپڑے نکال کر پہنتے ہوئے کہا۔ وہ سارجنٹ ابھی تک اس کے جملوں کا مطلب نہیں سمجھا۔

"عقل کے دشمن، وہ فلم ایکٹریس نہیں، مسز سلیم تھی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیبوں میں اچھی طرح ٹٹول کر فیلٹ ہیٹ سر پر رکھ لیا اور سڑک کی طرف دوڑ پڑا۔

''ان کی کار ٹیلے کی طرف گئی ہے۔'' سارجنٹ نے بھی ساتھ ہی بھاگتے ہوئے کہا۔

''میں نے بھی دیکھا ہے، مگر تم پیچھے لوٹ جاؤ۔ چرچ کے پاس شیریں والا کے سامنے جو کتھئی رنگ کی کار کھڑی ہے، اسے لے کر فوراً ٹیلے کی طرف آؤ اور ہاں اس میں سے وائرلیس سیٹ ہے آس پاس کے تمام پٹرولنگ اسٹاف کو خبر کردو کہ وہ تین طرف سے ٹیلے پر حلقہ تنگ کریں۔'' اس نے سارجنٹ کو ہدایت کی۔

''بہت اچھا۔'' یہ کہتے ہوئے سارجنٹ نے اپنا راستہ بدل دیا۔ اب صرف چار سائے دبے پاؤں سڑک کی طرف دوڑ رہے تھے۔ سڑک پر سرکاری کھمبوں میں لگے ہوئے ۴۰۔۴۰ وولٹ کے بلبوں نے ہلکا ہلکا اجالا پھیلا رکھا تھا۔ وہ تیزی سے سڑک عبور کرتے ہوئے دوسری طرف کھڑے ہوئے تاڑ کے سر بفلک درختوں کے درمیان سے آگے کی طرف دوڑنے لگے۔ کافی آگے جا کر وہ ایک جگہ ٹھٹکے۔

''میں نے یہاں تک اس کار کو آتے دیکھا ہے۔'' آگے والے نے کہا۔

''بس تو یہیں سے چاروں طرف پھیل جاؤ۔'' پہلے آدمی نے کہا۔ ''تمھیں سگنل معلوم ہی ہے۔'' اس ہدایت کے ساتھ ہی وہ ان دو طرفہ عمارتوں کے گرد لپٹے ہوئے اندھیرے میں منتشر ہوگئے جو جنگلہ نما حیثیت میں چھوٹے چھوٹے احاطوں کے ساتھ قطار میں بنی ہوئی تھی۔ مگر ان میں سے کسی میں زندگی کے آثار نہ تھے۔ ان کے رہنے والے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ چاروں سائے اس قدر محتاط ہو کر بڑھ رہے تھے کہ ان میں سے بعض بنگلوں میں پلے ہوئے کتوں کو بھی آہٹ نہ پہنچ پائی۔

آگے چل کر زمین فراز کی طرف اٹھتی چلی گئی تھی اور کچھ خودرو جھاڑیوں کے ساتھ وہ ٹیلہ سامنے تھا، جس پر ایک نئے ڈزائن کی دو منزلہ عمارت ایک خوبصورت چھوٹے بغیچے کے ساتھ موجود تھی، لیکن اس کے احاطے میں قدم رکھتے ہی انھیں احساس ہوا جیسے اس کے چپے

چپے میں زندگی ہو۔وہ چاروں یہاں پھر یکجا ہو گئے تھے۔ یہاں دروازے کے قریب دو مساوی اونچائی کے کھمبوں پر جڑا ہوا ایک بورڈ لگا تھا جس پر موٹے انگریزی حروف میں لکھا ہوا تھا، 'ورائٹی پروڈکشنز'۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے یہ جگہ دن میں بھی دیکھی ہے۔یہاں ایک بوڑھے مالی، دونوکروں اور ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کے سوا کچھ نہ تھا۔یہ کسی فلم پروڈیوسر کا مکان ہے۔''

''ان میں سے بہت سی چیزیں دن میں جو نظر آتی ہیں، رات میں مختلف ہوتی ہیں۔''

''میں نے آج ہی فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن سے معلوم کیا تھا کہ ورائٹی فلمز کے علاوہ اس نام کی کوئی کمپنی نہیں ہے۔''

''مجھے اس نام پر پہلے بھی شبہ تھا۔'' پہلے نے کہا۔

کانا پھوسی کے انداز میں وہ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے،لیکن خلاف توقع انھیں یہاں کوئی رکاوٹ نظر نہ آئی،البتہ ان کا خطرے کا احساس اب بھی کہہ رہا تھا کہ یہ پوری عمارت جاگ رہی ہے۔ویسے عمارت تاریک تھی اور اس کے مکین سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔رفتہ رفتہ وہ اس کے پورٹیکو تک پہنچ گئے۔اچانک ان میں سے ایک ٹھٹک کر ناک سکوڑنے لگا۔پھر وہ زمین پر جھک گیا۔

''ہمارا شبہ غلط نہیں ہے۔کوئی کار ضرور یہاں کچھ دیر پہلے پہنچی ہے۔اس جگہ انجن سے کچھ تیل ٹپکا ہوا معلوم ہوتا ہے،سونگھو۔'' اس نے دوسرے ساتھی سے کہا۔

''جی ہاں۔بو مجھے بھی آ رہی ہے۔'' دوسرے نے تائید کی۔

''کیوں نہ پشت سے بھی دیکھ لیا جائے۔'' ایک نے مشورہ دیا۔

''کوشش کر ڈالو۔'' اس نے کہا۔

چنانچہ دوسرا آدمی فوراً دیوار کے سہارے چلتا ہوا پشت کی طرف چلا گیا اور اس کے

Akram Allahabadi

باقی ساتھی داخلی دروازے کی سیڑھیوں کے نزدیک دبکے ہوئے اندر کے سناٹے کا اندازہ کرتے رہے۔ وہ ایک منٹ بعد ہی چونکا ہوا سا لوٹ آیا۔

"پیچھے اوپری منزل پر ایک کمرے کی کھڑکی سے روشنی نظر آرہی ہے۔" وہ آتے ہی بولا۔

"ٹھیک ہے، اب کچھ دیر یہیں کھڑے رہو۔"

"محض شبے کی بنا پر ہم اتنا بڑا رسک لے رہے ہیں۔" تیسرے ساتھی نے کہا۔

"بعض اوقات ایسا بھی کرنا پڑتا ہے، بیٹے۔ وہ اس قدر چالاک ہے کہ اس کی حرکتوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔" ان کے سربراہ نے جواب دیا۔

"تو کیا اس قدر پراسرار آدمی اتنی لاپرواہی سے دروازے کھول کر سوئے گا؟" ایک نے سوال کیا۔

"وہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جس وقت جامی نے اسے سڑک پر لائسنس کیلیے روکا تھا، اسی وقت وہ چوکنا ہو گیا تھا۔ یہاں اس کے انتظامات مکمل ہوں گے، ورنہ وہ اتنا مطمئن نہ ہوتا۔"

"اور آپ پھر بھی موت کے منہ میں جا رہے ہیں؟"

"اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔"

"کم از کم میرے بیوی بچوں پر تو رحم کیا ہوتا۔"

"جب وہ پیدا ہوں گے تو سرکار ان کی خبر گیری کر لے گی۔"

"مگر یہ اس قدر سناٹا کیوں ہے یہاں؟"

"وہ اس وقت اپنا آرام خراب کرنے کے موڈ میں نہیں ہے، اس لیے ہم لوگوں کو موقع دے رہا ہے کہ ہم اپنے شبے کو غلط سمجھ کر لوٹ جائیں۔"

Akram Allahabadi

''آپ کی باتیں بھی عجیب ہیں، میرے تو پلّے نہیں پڑتیں۔''

''شش..'' ان کے لیڈر نے منہ پر انگلی رکھ کر انھیں قطعی خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اپنے ایک ساتھی کے کان میں بہت آہستہ سے بولا۔ ''اسرار، تم جا کر چوراہے پر دیکھو، جامی اور دوسرے لوگ اگر آ پہنچے ہوں، تو ان سے کہہ دو کہ خاموشی سے چاروں طرف سے اس عمارت کو گھیر لیں اور سگنل کا انتظار کریں، مگر تم فوراً لوٹ آنا۔''

''بہت خوب۔'' وہ بولا اور پھر زمین پر رینگتا ہوا دروازے تک پہنچ کر باہر نکل گیا۔

''اب ہم کیا کریں گے؟'' بالے نے پوچھا۔

''تم صرف اپنی بکواس بند رکھو گے۔''

''معلوم ہوتا ہے آپ اس سے ڈر رہے ہیں۔''

''یونہی سمجھ لو، مگر خدا کیلئے چپ رہو۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نومین قبضے میں

اس کے بعد تقریباً پانچ منٹ تک بالکل سناٹا رہا، البتہ اب پرسکون فضا میں عمارت کے اوپری حصے سے ہلکے ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

یہ سنتے ہی سپرنٹنڈنٹ خان نے جیب سے پستول نکال کر ہوا میں فائر کر دیا۔ اور پھر اپنے ساتھیوں کا اشارہ کرتا ہوا دوڑ کر داخلی سیڑھیوں کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ فائر ہوتے ہی اچانک اس عمارت کی اوپری کھڑکیاں کھل گئیں اور ان کی تیز روشنی باہر بغیچے میں پڑنے لگی۔ شاید اندر کافی طاقتور روشنیاں لگائی گئی تھیں۔

"کھڑکیوں میں لائٹ پروف شیشے لگائے تھے، کمبخت نے۔" خان نے آہستہ سے ڈیسوزا سے کہا۔

پولیس کو سگنل مل چکا تھا۔ اس عمارت پر چاروں طرف سے گولیاں پڑنے لگیں۔ ساری آبادی اس شور سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ لوگ حالات کی تحقیق کیلئے ٹیلے کی طرف دوڑے مگر باہر ہی پولیس نے انھیں روک لیا۔ عمارت کی کھڑکیوں میں اسٹین گن لگی ہوئی تھی، جن سے تڑاتڑ گولیاں برس رہی تھیں۔ پولیس کی گولیوں سے اس کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے جا رہے تھے۔

"بس اب چلو۔" یہ کہہ کر خان تیزی سے ستون سے نکل کر اندر گھس گیا۔ داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دوڑ کر اوپری منزل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ڈیسوزا پیچھے تھا، لیکن جس وقت وہ اس کمرے میں پہنچے، جس میں روشنی پائی گئی تھی، تو وہاں کوئی نہ تھا۔ ادھر بندوقوں کے شور میں کچھ سنائی بھی نہ دیتا تھا۔ اس سے ملحق کمرے میں دیکھنے پر وہاں کسی کا وجود نہ تھا۔ انھوں نے ان بڑے کمروں میں جھانکا، جہاں سے گولیاں چل رہی تھیں، وہ صرف پانچ آدمی تھے۔

Akram Allahabadi

"انھیں مت چھیڑو، پولیس سمجھ لے گی ان سے۔"

"لیکن وہ کمبخت کہاں مرگیا، زمین کھا گئی یا آسمان؟" بالے نے پہلی بار بہادری سے اسے گالی دیتے ہوئے کہا۔

تیسرے کمرے میں انھیں رسیوں سے جکڑی ہوئی ایک جوان عورت ملی، جس کے منہ میں کپڑا اٹھونسا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی ایک کاغذ کا پرزہ پڑا تھا جس پر لکھا تھا:

"میں عورتوں پر ظلم نہیں کرتا، یہی میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔فقط نومین۔

خان نے عورت کی رسیاں کھول دیں۔

"آپ دیر میں پہنچے، وہ نکل گیا۔" وہ عورت بولی۔

"آج میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جاسکے گا۔میں نے جو پلان بنایا تھا، وہ پورا کردیا تھا تم نے؟" خان نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ عورت بولی۔ بالے اور ڈیسوزا حیرت سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

"تو بس۔" یہ کہہ کر وہ مسکراتا ہوا پہلے کمرے میں لوٹ آیا۔ یہاں میز کے نیچے سے ایک لفافہ ملا۔"یہ شاید اس کی آخری بڑ ہوگی۔" یہ کہہ کر خان نے اسے کھول ڈالا۔ اس میں ایک کاغذ پر لکھا تھا۔

ڈیئر جاسوس، جس چوہیا کو تم نے میرے گلے میں گھنٹی باندھنے بھیجا تھا، وہ دوسرے کمرے میں رسیوں سے بندھی ہے۔تم ابھی طفلِ مکتب ہو، میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔فقط نومین۔

"پھر دھول جھونک گیا آنکھوں میں؟" بالے نے طنز کیا۔

"لاؤ، میں صاف کردوں۔" خان نے اپنا رومال نکال کر کہا۔

"ارے تو آپ بالکل مطمئن کھڑے ہیں؟" بالے کو حیرت ہوئی۔

''اور مسز میجر سلیم؟'' ڈیسوزا نے سوال کیا۔

''صرف چند منٹ۔'' خان نے معنی خیز انداز میں یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ گولیوں کا شوراب دب چکا تھا۔ نیچے آنے پر معلوم ہوا کہ جامی نے کچھ آدمیوں کے ساتھ عمارت کے ایک بازو سے حملہ کر کے مجرموں میں سے تین کو ہلاک کردیا ہے اور دو کو گرفتار، لیکن یہ آدمی بھی کم خطرناک نہ تھے۔ انھوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈالنے والی پولیس کا کافی دیر تک مقابلہ کیا۔

خان اس عمارت مس پولیس کا پہرہ مقرر کر کے اس وقت جامی کی لائی ہوئی اپنی کار لے کر ڈیسوزا، اسرار اور بابا لے کے ساتھ اس مقام سے روانہ ہو گیا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں، مگر جب کھاڑی کے قریب ان کی کار سڑک پر رکی تو بابا لے اور ڈیسوزا یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کھاڑی کے دونوں طرف پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں، جن پر سرچ لائٹس لگی ہوئی تھیں اور بہت سے مچھیرے کھاڑی کے پانی میں غوطے لگا رہے تھے۔ کچھ پولیس افسر، جن میں ڈی آئی جی پولیس بھی تھے، کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

''آپ کی اسکیم قطعی کامیاب رہی، مسٹر خان۔'' ڈی آئی جی نے خان کی پیٹھ ٹھونک کر کہا۔ ''کھاڑی کو عبور کرنے سے پہلے ہی اس کا ہیلی کاپٹر ٹوٹ کر گر پڑا۔ دونوں پانی میں ڈوبتے ہوئے تیراک مچھیروں کے ذریعے نکال لیے گئے ہیں۔ ہیلی کاپٹر کے کچھ حصے ابھی نہیں ملے ہیں۔''

''کہاں ہیں وہ؟ میں نومین کو اس کی اصل شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' خان نے پوچھا۔

''وہ ایمبولینس میں بیہوش پڑے ہیں۔''

''اب بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' خان نے کہا۔

''ان کے سرہانے، پیتانے، دو دو پولیس افسر پستول بدست موجود ہیں۔'' ڈی آئی

جی نے جواب دیا۔

سپرنٹنڈنٹ خان ان سے گفتگو کرنے کے بعد جب ایمبولینس کے قریب پہنچا اور اس نے اس کا دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو وہ دونوں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔خان نے جیب سے ہتھکڑی نکال کر نومین کے ہاتھوں میں ڈال دیں،اس کے بعد اس نے رومال سے اس کے چہرے کو رگڑ کر دیکھا،چہرے کا پھولا ہوا روغن صاف ہو گیا۔

''ارے۔''خان کے منہ سے نکلا۔

''کون ہے یہ الو کا پٹھا؟''بالے نے پیچھے سے پوچھا۔

''کپتان قادر۔فوجی سائنس اکیڈمی کا تربیت یافتہ،پراسرار نومین۔''خان نے جواب دیا۔

''اور یہ اس کی دست راست؟''ڈیسوزا نے بیہوش عذرا کے خلاف بھی اظہارِ نفرت کیا۔

''نہیں،وہ بے قصور ہے۔اس پر ظلم کیا گیا تھا۔''خان نے بتایا۔

''مگر یہ سب ہوا کیسے؟''

''لیڈی سارجنٹ کملیشن سراغ لگاتی ہوئی مسز سلیم تک پہنچ گئی تھی،لیکن اس کمبخت نومین کی آمد کا کوئی وقت نہیں رہتا تھا۔آج کی رات کیونکہ وہ مسز سلیم کا میک اپ کر کے اسے ساتھ لے کر کہیں گیا تھا،اس لیے میں نے تمام ہدایتیں فون ہی پر دے دی تھیں۔اس نے یہاں سمندر کے کنارے بنگلہ اسی لیے لے رکھا تھا کہ ایک تو اس فلمی آبادی کے علاقے میں اس طرح فرضی بورڈ لگا کر وہ بھی عام ماحول سے الگ نہ سمجھا جائے گا،دوسرے اس نے اپنے فرار کیلیے پرائیوٹ ہیلی کاپٹر منگا کر اپنی رہائش گاہ کی چھت پر رکھا تھا۔میرا پروگرام یہ تھا کہ اسے زہریلی گیس کے بم کے استعمال کرنے کو موقع دینے کی بجائے اس طرح گھیرا جائے کہ یہ ہیلی کاپٹر سے فرار ہی کو بہتر سمجھے۔ادھر میری ہدایات پر مس کملیشن نے اس کے انجن کے کلچ پلیٹس

ڈھیلے کر دیے تھے جس سے زیادہ سے زیادہ ایک دوفرلانگ پرواز کرنے کے بعد انجن کا ٹوٹ کر گر جانا یقینی تھا اور چونکہ تمام راستے مسدود کر دیے گئے تھے، اس لیے ہمارے مقصد کے مطابق وہ کھاڑی پر سے ہی پرواز کر کے اس پار جانے لگا اور پھر یہی ہوا کہ وہ معہ شکستہ ہیلی کاپٹر کے پانی میں آ گرا۔ ہم نے جو جال کھاڑی میں لگایا تھا، وہ اسی لیے کہ اس کے فرار کا یہی ایک راستہ ہوگا اور کہیں اس خونی آدمی کے ساتھ بیچاری مسز سلیم بھی پانی میں گر نہ ڈوب جائے اور ایک بے گناہ کی جان جائے، چنانچہ وہی ہوا کہ اس جال کی وجہ سے دونوں ڈوبنے سے بچے اور پولیس نے تیراک مچھیروں کے ذریعے انھیں بے ہوش حالت میں اپنے قبضے میں کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سگریٹ کا راز

"تو پھر آپ نے اس کی قیام گاہ ڈھونڈنے کیلیے ہمیں ادھر ادھر کیوں بھٹکایا۔"

اسرار نے اس سے پوچھا۔

"تاکہ اس کے آدمی جو علاقے کی نگرانی کیلیے مقرر کیے گئے تھے اگر دیکھ بھی لیں تو مغالطے میں رہیں۔" خان نے کہا۔

"لیکن یہ سگریٹ سے ہونے والی موتوں کا کیا راز ہے؟" بالے نے پوچھا۔

"کلکتہ کی سائنسی تحقیق کی لیبوریٹری نے کرم چند کی میز پر ملنے والی راکھ اور ہوٹل میں پائی جانے والی سگریٹ کا سائنٹیفک طریقہ تجزیہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہ انتہائی مہلک قسم کی جدید ایجاد ہے، جس مں سائنا یئڈ گیس پاوڈر سگریٹ کے درمیانی حصے میں رکھا جاتا ہے اور جب آگ اس تک پہنچتی ہے تو اس کا ایک ہی کش آدمی کو ختم کر دیتا ہے۔" خان نے بتایا۔

"شکر ہے کہ وہ خطرناک ایجاد زیادہ پھل پھول نہ سکی، ورنہ نہ جانے اور کتنی جانیں وہ لے ڈالتا۔" ڈیسوزا نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔ "اور زہریلی گیس کے بم اس کے پاس کہاں سے آئے؟"

"وہ ملٹری اکیڈمی آف سائنس میں ان کا بنانا سیکھ گیا تھا اور چونکہ وہ تعلیم یافتہ جدت پسند اور بہادر بھی ہے، اس لیے اس لیے غلط راستے پر لگنے کے بعد اس نے تہلکہ مچا دیا۔"

"تو آپ اس کی تعریف کر رہے ہیں؟"

"اس کی نہیں، بلکہ اس کی شیطنت کی۔" یہ کہتے ہوئے خان نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر بیہوش عذرا کی ناک سے لگا دی۔ دو تین سانسیں کھینچنے کے بعد وہ کلبلا کر اٹھ بیٹھی۔

Akram Allahabadi

''آپ؟'' وہ خان کو دیکھ کر حیرت سے تقریباً چیخ اٹھی۔ ''مجھے... مجھے بچایئے۔'' اس نے اٹھ کر خان کا کالر تھام لیا۔

''گھبرایئے نہیں، آپ محفوظ ہیں۔'' خان نے اسے تسلی دی۔ ''وہ چوہا گرفتار ہو چکا ہے، دیکھیے۔'' خان نے اسے بتایا۔

''کپتان قادر؟'' وہ ایک دم اچھل پڑی۔ خان نے نومین کی ناک سے بھی شیشی لگا دی۔ ان کے پیٹ کا پانی تو انھیں اوندھا کر کے پہلے ہی نکالا جا چکا تھا۔ وہ بھی ہوش میں آ گیا۔ لیکن جب اس نے آنکھیں کھولیں تو خان اس پر جھکا ہوا تھا۔

''ہیلو، مائی ڈیئر نومین۔ کیسے مزاج ہیں؟'' خان نے اسے چھیڑا۔ قادر نے ایک نظر چاروں طرف ڈالتے ہوئے خان کو بغور دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

''اوہ تو شکاریوں نے شیر مار لیا ہے۔'' وہ اپنی ڈھٹائی برقرار رکھتے ہوئے بولا۔

''جی ہاں، اور اب اس کی چربی نکالی جائے گی۔'' یہ کہتے ہوئے خان ڈیسوزا کی طرف پلٹا۔

''انھیں پولیس ہیڈ کوارٹرز لے کر چلو۔'' یہ کہتا ہوا وہ مسز سلیم کو سہارا دے کر ڈی آئی جی کی طرف لے چلا۔

''مسٹر خان، میری سب سے بڑی کمزوری اس وقت تمہارے ساتھ ہے، اسی نے آج زندگی میں پہلی بار شکست دلائی ہے، تم بھی ہوشیار رہنا۔'' چلتے چلتے نومین نے خان کو ٹوک دیا۔

''میری زندگی تمہاری طرح مجرمانہ نہیں۔'' یہ کہہ کر خان آگے بڑھ گیا اور ایمبولینس پولیس کی جیپ کاروں کے تحفظ میں روانہ ہو گئی۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi